قمر اشوک

مکمل ناول

زندگی کی دھوپ چھاؤں

"بیٹا اسحاق! میری بیٹی کا بہت خیال رکھنا' بہت حساس ہے یہ"۔ اعظم نے شفقت سے امبرینہ کو گلے سے لگایا تھا جس کی آج بارات تھی۔

"جی"۔ اسحاق نے آہستگی سے کہا اور پھر وہ سب کراچی سے اسلام آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔

جب یہ لوگ "اسحاق ولا" میں داخل ہوئے تو امبرینہ کا کسی نے بھی خوشی سے استقبال نہیں کیا' سوائے اس کے چھوٹے دیور آفاق کے۔

"ایپا! دیکھیں تو ہماری بھابی کتنی خوبصورت ہیں"۔ آفاق نے دلہن کا گھونگھٹ سرکایا۔

"ہمیں کیا خبر' اسحاق کی پسند ہے تو ہو گی"۔ سمعیہ نے تنک کے جواب دیا تھا۔

"تو بھائی کی پسند کی داد دیں پھر"۔ آفاق نے سمعیہ کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تھا۔

"بھئی مجھے تو آ رہی ہے نیند' میں چلی کمرے میں"۔ سمعیہ سے چھوٹی لامیہ نے چڑ کے کہا جو کافی دیر سے انہیں خونخوار نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں بھئی' مجھے بھی نیند آ رہی ہے اور میں صبح ہی اپنے گھر چلی جاؤں گی' انہیں آفس جانا ہے اور بچوں کو اسکول"۔ وہ دونوں امبرینہ کو گھورتی ہوئی چلی گئیں۔

ساجدہ بیگم تو ان کے آتے ہی کمرے میں سے ہی نہ نکلیں تھیں کیونکہ وہ اسحاق کی شادی سے بالکل خوش نہیں تھیں؛

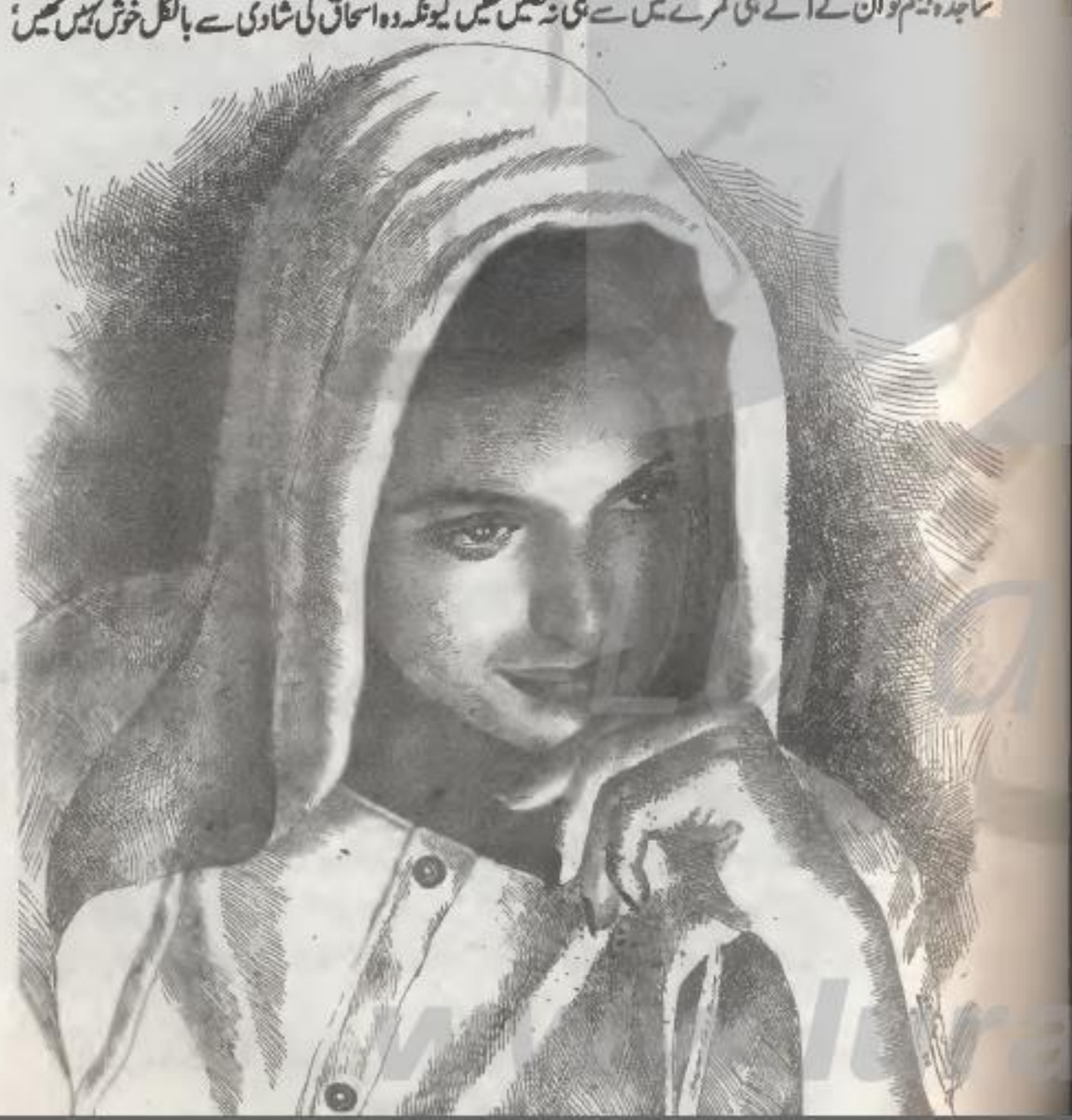

ساجدہ بیگم کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا' ان کے صرف 4 ہی بچے تھے سمعیہ' لامیہ' اسحاق اور آفاق' بیٹیوں کی شادی تو انہوں نے اپنی مرضی سے کر دی تھی' دونوں داماد اپنی بیویوں کے فرمانبردار بہت تھے۔ انہوں نے اسحاق کے لئے بھی ایسی ہی لڑکی دیکھی تھی' امیر و کبیر مگر اسحاق نے اپنے لئے لڑکی پہلے ہی پسند کر لی تھی جو کہ گھر میں کسی کو بھی پسند نہیں آئی سوائے آفاق کے۔ یہ شادی بھی اسحاق کی آفاق ہی کی وجہ سے ہوئی تھی۔

"لگتا ہے کہ مجھے ہی تھوڑی دیر کے لئے ان کی نند اور ساس کا رول پلے کرنا پڑے گا"۔ آفاق دلہن کے پاس آیا تھا۔

"آیئے بھابی صاحبہ! آپ کو آپ کے کمرے کے دروازے تک چھوڑ آتا ہوں"۔ امبرینہ کو یہ شوخ و چنچل سا لڑکا بہت پسند آیا تھا' حالانکہ وہ امبرینہ سے عمر میں چار سال بڑا تھا لیکن رشتے میں تو چھوٹا تھا۔

"بس اب آپ کا کام ختم' جایئے آپ"۔ اسحاق نے اُسے دروازے ہی سے چلتا کیا۔

"بھائی! آپ میری بے عزتی کر رہے ہیں بھابی کے سامنے"۔ اس نے معصومیت سے کہا۔

"سوچ لیں میں ہی آپ کے کام آتا ہوں"۔ آفاق دو قدم آگے بڑھا۔

"گیٹ آؤٹ"۔ اسحاق نے زوردار انداز میں دروازہ بند کر لیا جو سیدھا اس کی ناک پر لگا۔

"بھائی! چھوڑوں گا نہیں"۔ وہ ناک سہلاتا ہوا چلا گیا تھا۔

"آیئے"۔ اسحاق امبرینہ کو اپنے ہمراہ بیڈ تک لے کر آئے جو گلاب کی پتیوں سے مہک رہا تھا۔

"بہت ہی خوبصورت لگ رہی ہو اس لئے رونمائی کا تحفہ بھی تمہاری طرح خوبصورت ہونا چاہیئے"۔ اسحاق نے جیب سے شہنیل کا خوبصورت سا کیس نکالا جس میں بہت ہی خوبصورت سے جڑاؤ کنگن جھلملا رہے تھے' اسحاق نے کنگن نکال کر نہایت آہستگی سے امبرینہ کا ہاتھ تھاما اور کنگن ان پہلے سے بھری ہوئی کامدانی چوڑیوں سے سجی کلائی میں پہنا دیئے اور آہستگی سے مہندی سے چھپی ہتھیلی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی۔

"امبرینہ! تم سے ایک بات کرنی ہے' اُمید ہے تم اس آزمائش پر پوری اترو گی"۔ اسحاق کے لب و لہجے کی افسردگی امبرینہ سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

"جی کہیئے"۔ امبرینہ نے نرمی سے کہا۔

"تمہارا یہاں جیسا استقبال ہونا چاہیئے تھا ویسا نہیں ہوا' اس کے لئے میں تم سے معذرت خواہ ہوں"۔ وہ تھوڑا سا سنبھل کے بیٹھا۔

"مگر مجھے یقین ہے تم اس گھر میں آ گئی ہو تو اپنے خوش اخلاق رویے سے سب کا دل جیت لو گی"۔ اس نے امبرینہ کا ہاتھ سہلایا تھا۔

"امی دل کی بُری نہیں ہیں' بس وہ میرے لئے کسی اور لڑکی کا انتخاب کر چکی تھیں اور میں نے تم سے....." انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"کوئی بھی اگر تمہیں کچھ کہے' امی' ابا یا باجی تو پلیز میری خاطر برداشت کر لینا' تمہاری اچھائی کو وہ کبھی تو مانیں گے' تمہارے اس اقدام میں' میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں' مگر ہاں آفاق بہت اچھا ہے وہ تمہارا بہت خیال رکھے گا"۔

"مجھے فخر ہے کہ میں آپ کی ہمسفر ہوں اور میری طرف سے آپ کو کبھی کوئی شکایت نہیں ملے گی"۔ اس نے پرسکون گہرا سانس بھرا تھا' اس کی مسکراہٹ کا اسحاق نے بھی ساتھ دیا تھا اور بہت محبت سے اپنے قریب کر لیا۔

.....☆.....

صبح جب وہ اُٹھنے کی کوشش کرنے لگی تو نہ اُٹھ سکی کیونکہ اس کے کندھے پر اسحاق کا ہاتھ رکھا ہوا تھا جسے اس نے بڑی آہستگی سے ہٹایا اور کھڑی ہو گئی۔

"سنیئے! اُٹھ جایئے' صبح کے دس بج رہے ہیں"۔ اس نے اسحاق کو آرام سے جگانا چاہا تو وہ نہ اُٹھے تو کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اُٹھ جایئے اسحاق!" وہ اسی عالم میں کھڑی رہی تھی۔

"کیا ہوا سونے دو یار!" انہوں نے لحاف منہ تک ڈال لیا جسے امبرینہ نے بڑے آرام سے ہٹایا تھا۔

"بس اب آپ اُٹھ جائیں"۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں' نظر اس پر ڈالی تو خوش ہو گئے' نیلے کاٹن کے سادے سے سوٹ میں وہ بڑی دلفریب لگ رہی تھی۔

"زبردست لگ رہی ہو"۔ اسحاق نے اس کا ہاتھ پکڑ کر درمیانی فاصلہ ختم کیا جس پر وہ بُری طرح سے جھینپی تھی۔

"ٹھک' ٹھک' ٹھک"۔ دروازے پر دستک زوردار تھی' امبرینہ لمحے سے بیشتر حصے میں سنبھلی تھی۔

"کون ہے یار؟" اسحاق نے بُرا سا منہ بنا کر دروازہ کھولا تھا۔

"کچھ شرم کریں بھائی! صبح کے گیارہ بج رہے ہیں"۔ آفاق نے اُسے ایک سائیڈ پر کیا اور اندر آ گیا اور پیچھے اسحاق اس کو دیکھتے ہی رہ گئے۔

"گڈ مارننگ بھابی جان! آپ کو میرا "اسحاق ولا" میں دل کی گہرائیوں سے سلام قبول ہو"۔ وہ امبرینہ کے سامنے کورنش بجا لایا تھا۔

"وعلیکم السلام!" اس نے بھی خوش اسلوبی سے جواب دیا۔

"کیوں بھائی کو سلام کرنا بھول گئے ہو کیا؟" اسحاق نے اس کا کان پکڑا تھا۔

"یاد تھا مگر وہ کیا ہے ناں کہ مجھے اب زیادہ تر بھابی جان سے ہی کام پڑے گا اس لئے میں اپنا امیج بنانا چاہتا ہوں' وہ بھی اچھا"۔ وہ اپنا کان چھڑوا کر امبرینہ کے برابر میں جا بیٹھا۔

"ارے میری سز کو اگر کسی بھی غلط مقصد کے لئے بہکایا تو میں تمہارا قیمہ بنا دوں گا"۔ وہ سامنے میز پر بیٹھ گئے تھے۔

"بھابی! دیکھ رہی ہیں کیسے مجھے بے عزت کر رہے ہیں"۔ اس نے مصنوعی رونے کی ایکٹنگ کی تھی جسے وہ سچ سمجھ کر اسحاق کو دیکھنے لگی۔ اسحاق نے امبرینہ کے چہرے پر لکھی تحریر کو بخوبی پڑھا اور آفاق کے زبردست گھونسا مارا تھا۔

"اسحاق!" امبرینہ نے دہل کر اپنے دل کے سائیڈ پر ہاتھ رکھا تھا جس کی وجہ سے دونوں کو اپنی پوزیشن سنبھالنی پڑی تھی۔

"ارے آپ تو ڈر ہی گئیں' باخدا ہم دونوں تو مذاق کر رہے تھے"۔ اور جب اسے یقین ہو گیا تو وہ دونوں کو باری باری گھور کے رہ گئی جس پر دونوں کا چھت پھاڑ قہقہہ برآمد ہوا تھا۔

شام کو ولیمے کا شاندار اہتمام کیا گیا تھا' امبرینہ نے لائٹ فیروزی پر گولڈن دبکے کا کامدار شرارہ زیب تن کیا تھا اور ساتھ میں اسحاق بھی اپنی بھرپور وجاہت کے ساتھ موجود تھے۔

اسحاق آج بھی کل کے دن سے زیادہ موڈ میں تھے' وہ امبرینہ کی طرف بہت ہی محبت سے دیکھ رہے تھے' امبرینہ چینج کے بہانے سے فوراً ڈریسنگ روم میں چلی گئی اور مسکرانے لگی۔

.....☆.....

"امی! سارے نوکر کہاں ہیں مجھے اپنے کمرے کی صفائی کروانی ہے"۔ اسحاق اِدھر اُدھر نظر دوڑانے لگے تھے اور امبرینہ لاؤنج میں بیٹھی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔

"میں نے سب کو نکال دیا ہے"۔ وہ اپنی ساڑھی کا پلو درست کرنے لگیں۔

"مگر کیوں؟" وہ امبرینہ کے برابر میں بیٹھ گئے تھے' انہیں تعجب ہوا۔

"کیا مطلب کیوں؟" وہ ان دونوں کے سامنے والے صوفے پر براجمان ہو گئی تھیں۔
"سارے کے سارے نکمے ہو گئے تھے' کوئی بھی کام دلچسپی سے کرنا نہیں جانتے تھے"۔ لب و لہجے میں تلخی کا عکس نمایاں تھا۔
"تو آپ کوئی اور نوکر رکھ لیں"۔ انہوں نے رائے دی۔
"مگر اب مجھے نوکروں پر اعتبار نہیں رہا ہے"۔ انہوں نے بات کاٹی۔
"اسے گھر کا کوئی کام نہیں آتا کیا؟" انہوں نے امبرینہ کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔
"میں نے تو سنا تھا کہ ان کے طبقے کے جیسے لوگوں کو ہر کام آتا ہے' کافی ہنرمند ہوتے ہیں"۔ انہوں نے صاف اس کی طرف دیکھ کر چوٹ کی جسے امبرینہ نے بخوبی سمجھا تھا اسی لئے چپ بھی نہیں رہی تھی۔
"نہیں امی! مجھے گھر کا ہر کام آتا ہے' میری امی نے مجھے ہر کام سکھایا ہے"۔
"تو پھر نوکروں کی کیا ضرورت ہے' خوامخواہ تمہاری عادتیں ہی خراب ہوں گی"۔ وہ کھڑی ہو گئی تھیں اور بہت کچھ جتا گئی تھیں جو کم از کم اسحاق کی زیرک نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔
"آئی ایم سوری امبرینہ!" وہ بہت شرمندگی سے اسے دیکھنے لگے۔
"ارے اس میں سوری کی کیا بات ہے یہ تو میرا فرض ہے کہ میں اس گھر کی ذمہ داری سنبھالوں' خیال رکھوں"۔
وہ دکھی تو ہوئی تھی مگر یہ نہیں چاہتی تھی کہ اسحاق شرمندہ ہوں۔
"کمرہ بہت گندہ ہو رہا ہے"۔ وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو اسحاق نے کہا۔
"چلو میں تمہارا ہاتھ بٹا دیتا ہوں تاکہ تم زیادہ تھکو نہیں"۔ وہ بیڈ سے پھولوں کی پتیاں جمع کرنے لگے تھے' 2 گھنٹے میں کمرے کی حالت درست ہو گئی تھی' بیڈ کے اوپر والی دیوار پر بڑی سی اسحاق اور امبرینہ کی بارات والی تصویر تھی جس میں اسحاق نے گولڈن راؤ سلک کا کرتا اور پاجامہ پہن رکھا تھا' امبرینہ نے ریڈ کلر کا نیٹ کا شرارہ پہن رکھا تھا' بیڈ پر آسمانی کلر کی بیڈ شیٹ بچھی تھی' بیڈ کے برابر میں چھوٹی سی میز اور اس پر خوب صورت سا لیمپ روشن تھا' زمین پر ریڈ کلر کا کارپٹ کمرے کو روشن کر رہا تھا' بیڈ کے سامنے صوفہ سیٹ کو سیٹ کیا گیا تھا' بیڈ کے دائیں جانب ڈریسنگ ٹیبل تھا جس پر کاسمیٹکس کا سامان سیٹ تھا' کمرہ صاف ہونے کے بعد اور بھی اچھا لگ رہا تھا۔
"تھک گئیں؟" کمرہ ٹھیک کرنے کے بعد وہ فریش ہو کر نکلی تھی۔
"جی"۔ وہ گیلے بال بکھرائے بیڈ پر بیٹھی تھی' تھکن اس کے ایک ایک عضو سے جھلک رہی تھی۔
"میں تھکن اُتار دوں"۔ وہ رومانوی انداز میں قریب آئے اور سرگوشی کی۔
"نہیں' میں آپ کے لئے اور اپنے لئے چائے لاتی ہوں"۔ وہ جھینپ کر کھڑی ہونے لگی تھی۔
"بیٹھی رہو' کوئی نہیں چائے سے اُترتی تھکن"۔ انہوں نے اسے شانوں سے پکڑ کے اپنے قریب کر لیا' ان کی جلترنگ مسکراہٹ پورے کمرے میں چار چاند لگا رہی تھی اور وہ اپنے آپ میں سمٹتی جا رہی تھی۔

.....☆.....

"بھابی' بھابی جان کہاں ہیں آپ؟" آفاق اندر چلاتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا' یہ دیکھے بغیر کہ لاؤنج میں کوئی موجود ہے۔
"سلام کرنا بھول گئے ہو یا بھابی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا؟' سمعیہ نے تنک کے کہا۔ لاؤنج میں اس وقت سمعیہ' لامیہ اور ان کے بچے موجود تھے' چھوٹے صوفے پر ساجدہ بیگم بیٹھی تھیں اور امبرینہ شربت کے گلاس کی ٹرے میز

رکھ رہی تھی۔ سمعیہ کے 2 بچے تھے بڑی شائلہ 15 سال کی اور بیٹا نوید 11 سال کا تھا۔ لامیہ کی صرف ایک ہی بیٹی تھی جو 7 سال کی تھی سارہ۔
"چھوٹے ماموں! آپ گھر پر کیوں نہیں آئے؟" سارہ نے شکایتی نظروں سے دیکھا تھا۔
"ارے اب یہ کیوں گھر آئیں گے"۔ لامیہ نے طنزیہ نظروں سے امبرینہ کو دیکھا تھا جیسے اس نے منع کیا ہو' مگر آفاق نے مکمل اگنور کر دیا تھا لامیہ کو۔
"نہیں جانو! آئیں گے اصل میں ماموں کے پاس ٹائم نہیں ہے"۔ وہ سارہ کے پاس بیٹھ گیا۔
"کیوں تمہارے پاس ٹائم کی کیا کمی ہے بھئی؟" لامیہ نے شربت کا گلاس اُٹھایا تھا' لہجے میں تلخی و ترشی گھلی تھی۔
"اصل میں بھائی کچھ دنوں سے آفس نہیں جا رہے تھے تو کام ذرا بڑھ گیا تھا اسی کو سنبھالنے میں ٹائم لگ گیا"۔ آفاق نے وضاحت پیش کرنی ضروری سمجھی۔
"ہاں تو اُن کے پاس کیوں ٹائم ہوگا' سارا ٹائم ان کا کسی نے ناز و نخرے اُٹھانے میں جو لگ جاتا ہے"۔ نہایت ہی جلتی نظروں سے امبرینہ کو دیکھا تھا جواب صوفے پر بیٹھ چکی تھی خاموشی سے۔
"اوہو..... آپ لوگ اپنی بات کر رہے ہیں اور میں اپنی کرنے جا رہی تھی"۔ سارہ نے بسورتی شکل بنائی تھی۔
"ہاں تو آپ روئیں نہیں' بتائیے کیا کہہ رہی تھیں آپ؟" آفاق نے اسے اٹھا کے اپنے سامنے کھڑا کیا تھا۔
"وہ نہ..... پارک میں ایک نیا جھولا لگا ہے میں اس میں جھولوں گی"۔ سارہ نے خوشی خوشی ہنس کے کہا۔
"کیوں نہیں' سب چلیں گے"۔ سارہ کو آفاق نے گود میں بٹھایا۔
"ویسے آفاق! تم میرے گھر میں روز ہی آتے تھے اور اگر نہ بھی آ سکتے تو فون کر دیتے تھے' یہ اب تمہیں کیا ہوا کہ اتنوں تمہاری شکل دکھائی نہیں دیتی"۔ لامیہ نے خالی گلاس ٹرے میں رکھا۔
"ایسا کیا جادو کر دیا تمہاری بھابی نے تم پر کہ اب ہمیں ہی بھولتے جا رہے ہو"۔ سامنے بیٹھی امبرینہ نے دکھ سے ان دونوں بہنوں کو دیکھا۔
"نہیں بجو! ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ کھڑا ہو گیا۔
"میں ذرا چینج کر لوں"۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ چھوٹی سی بات کا فسانہ بنے اس لئے وہ چلا گیا۔
"بتائیے آج آپ لوگ کیا کھائیں گے' میں بنا دیتی ہوں"۔ امبرینہ نے خوشدلی سے کہا' مقصد مہمان نوازی کا تھا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا؟" لامیہ نے نفرت سے کہا۔
"اب اگر ہم یہاں آئے ہیں تو کیا تم سے پوچھ کر کھانا پڑے گا"۔
"نہیں بجو! میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا"۔ وہ سہم سی گئی تھی اس کے لب و لہجے پر۔
"سنو لڑکی! اگر یہاں آ ہی گئی ہو تو اپنی اوقات میں رہنا"۔ سمعیہ نے بھی ان کی باتوں میں حصہ لیا تھا۔
"اچھا امی! اب ہم چلتے ہیں"۔ لامیہ اُسے تنفر سے دیکھتی کھڑی ہو گئی تھی۔
"کیوں بیٹا! آپ تو رات تک کے لئے آئیں تھیں ناں"۔ ساجدہ بیگم اپنی چہیتی بیٹی کو دیکھتے کھڑی ہوئی تھیں۔
"نہیں امی! اب اگر اس گھر میں ہم آئیں گے تو امبرینہ سے اجازت لے کر آئیں گے' کیوں امبرینہ میں نے ٹھیک کہا نا؟' سمعیہ بھی یہ زہر میں ڈوبا جملہ کہتی کھڑی ہوئی تھی۔
"یہ کون ہوتی ہے اجازت دینے یا نہ دینے والی"۔ وہ اپنی بیٹیوں کے پاس چلی آئیں۔
"ناراض کر دیا ناں میری بیٹیوں کو' معافی مانگو ان سے"۔ انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

"سنا نہیں کیا کہا ہے میں نے"۔ وہ ہنوز اسی طرح کھڑی تھی اور ان لوگوں کے پیچھے اسحاق تھے۔

"مجھے معاف کر دیجئے اگر کچھ بُرا لگا تو"۔ اس نے اپنے آنسو چھپائے اور پیچھے کھڑے اسحاق کو بھی بہت دُکھ ہوا تھا ان کی حرکات اور امبرینہ کے بھیگے لہجے پر۔

"ارے بڑے ماموں آ گئے"۔ نوید اس کے پاس دوڑتا ہوا آیا تو ان تینوں نے چونک کے پیچھے مڑ کے دیکھا تھا۔

"السلام علیکم!" وہ امبرینہ کے برابر میں کھڑے ہو گئے۔

"وعلیکم السلام!" وہ تینوں پھر سے بیٹھ گئیں، اپنا امیج خراب نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

"اور بھئی اسحاق! کب آ رہے ہو گھر؟" سمعیہ نے مسکرا کے پوچھا، لاکھ وہ اس شادی سے خوش نہیں تھیں مگر بھائی سے پیار بھی بہت تھا۔

"جی کام سے فرصت مل جائے"۔ وہ بیٹھ گئے۔

"اور بچو آپ لوگوں کا کیا حال ہے؟" انہوں نے سارہ کو اشارے سے اپنے پاس بلایا تھا۔

"جی ماموں ٹھیک ہیں"۔ شائلہ نے مسکرا کے جواب دیا تھا۔

"آفاق آ گیا امی؟"

"ہاں ابھی کچھ دیر پہلے آیا ہے اپنے کمرے میں چینج کرنے گیا ہے"۔ انہوں نے جواب دیا۔

"لگتا ہے تھک گئے ہو، جاؤ چائے وغیرہ لے کر آؤ اسحاق کے لئے، کھڑی کیا کر رہی ہو"۔ انہوں نے کھڑی امبرینہ پر چوٹ کی تھی۔

"نہیں رہنے دو"۔ انہوں نے جاتی ہوئی امبرینہ کو روکا اور موڈ جو خراب ہوا تھا وہ اس کی حالت دیکھ کر ہوا تھا۔

"ایک کام کرو میرا سوٹ نکالو چل کے میں آتا ہوں"۔ انہوں نے وہاں سے امبرینہ کو ہٹانا چاہا تھا۔

"جی بہتر"۔ وہ منظر سے غائب ہوتی چلی گئی۔

"یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی"۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے تھے۔

"کیوں کیا ہوا؟" وہ بیڈ پر کپڑے رکھ کر سیدھی ہوئی تھی، اس نے وائٹ اور اورنج کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا جس پر کام کرنے کی وجہ سے کہیں کہیں دھبے پڑ گئے تھے اور بال اُلجھے ہوئے جن سے لٹیں باہر کو آ رہی تھیں اور چہرے پر تھکن نمایاں تھی۔

"مانا کہ تم ہر روپ میں اچھی لگتی ہو"۔ انہوں نے اس کو شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔

"مگر جب کوئی آئے تو درست کر لیا کرو خود کو، اب ہر کوئی میری نظر سے دیکھے تو بات بنے"۔ انہوں نے اس کی لٹ کو کھینچا جس پر وہ مسکرا اٹھی۔

"اب یہ مسکرا کیوں رہی ہو؟"

"آپ تو بس جائیں پکڑیں کپڑے اور چینج کریں جا کر"۔ وہ جانے لگی تھی۔

"کہاں چلیں"۔ انہوں نے اس کی کلائی تھامی تھی۔

"آپ کے لئے چائے لینے"۔ اس نے نرمی سے اُن کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا تھا۔

"رہنے دو، جاؤ جا کر اچھے سے کپڑے نکالو باہر ڈنر کرتے ہیں اور تمہیں اسلام آباد کی سیر کرواتے ہیں"۔ امبرینہ کی نازک سی کھڑی ناک دبائی تھی۔

"بھابی جان!" آفاق نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

سے آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگی۔

"ہو جائے گا چینج بھی، کچھ دیر اسی طرح رہو دل چاہ رہا ہے تمہیں اسی طرح دیکھنے کو"۔ انہوں نے اس کے گلاسز اتار کر اس کے حسین مکھڑے پر پھول بکھیر دیئے۔ آج شادی کو 20 دن پورے ہو گئے تھے ان 20 دنوں میں اسحاق نے امبرینہ پر خوب چاہت و محبت کی بارش نچھاور کی تھی۔

☆

"ارے ارے امی! یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" ساجدہ بیگم اپنے کمرے کی صفائی کر رہی تھیں کہ امبرینہ داخل ہوئی۔

"لائیے میں کر دوں"۔ وہ ان کے بیڈ کی چادر درست کرنے لگی۔

"رہنے دو"۔ انہوں نے کڑک دار آواز میں کہا تو اس کے ہاتھ سے چادر چھوٹ گئی۔

"میرے ہاتھ ٹوٹے نہیں ہیں کہ اپنا کام کسی غیر سے کراؤں"۔ سخت لہجے میں کہا گیا یہ جملہ امبرینہ کو دکھی کر گیا۔

"مگر میں کوئی غیر تو نہیں آپ کی بہو ہوں"۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔

"میرے بیٹے کی پسند ہو اور بس کیونکہ میں نے تمہیں ابھی اپنی بہو تسلیم نہیں کیا، یہ بات تم کان کھول کر سن لو"۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"اب کھڑی کیا کر رہی ہو، جاؤ یہاں سے"۔ وہ چادر ٹھیک کر کے بیٹھ گئی تھیں، وہ اپنا سا منہ لے کر افسردہ قدموں سے چلی گئی۔

☆

"بھابی!" آفاق نے آہستہ سے پکارا تھا۔

"کیا بات ہے آفاق؟" وہ کھانا بنا رہی تھی کچن میں کہ اس کی آواز آئی۔

"آپ سے ایک بات کرنی تھی"۔

"ہاں کہو کیا بات ہے"۔ سالن کو ہلکی آنچ پر رکھ دیا۔

"اس طرح نہیں آرام سے کرنے کی ہے"۔

"اچھا پھر ایسا کرنا ابھی تو میں کھانا بنا رہی ہوں اور ابھی روٹیاں بھی بنانی ہیں، اسحاق بھی ابھی نہیں آئے، جب وہ آ جائیں تو کر لینا"۔ وہ توا چولہے پر رکھنے لگی تا کہ روٹیاں بنا سکے۔

"کیا...... بھائی ابھی تک نہیں آئے، مگر کیوں؟" وہ پریشان ہوا۔

"وہ تو میرے نکلنے سے 15 منٹ پہلے ہی آفس سے نکل جاتے ہیں"۔ وہ اپنی بات بھول کر اسحاق کے لئے فکر مند ہوا۔

"نہیں صبح انہوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ دیر سے آئیں گے آفس سے کہیں ایک گھنٹے کے لئے جانا تھا، اب تو رات کے 8:30 بج رہے ہیں"۔ اس نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور پریشان ہو گئی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" ساجدہ بیگم یہاں کسی کام سے آئی تھیں۔

"کچھ نہیں امی! میں یہاں پانی پینے آیا تھا"۔ وہ فریج سے بوتل نکالنے لگا۔

"اور تم نے کیا ابھی تک روٹیاں نہیں بنائیں؟" امبرینہ کو پریشان و فکر مند کھڑے ہوئے دیکھا مگر نظر انداز کر گئیں۔

"بس امی! ابھی بن جاتی ہیں"۔ وہ چونک کر اپنا بقیہ کام کرنے لگی تھی۔

"امی! اسحاق بھائی ابھی تک نہیں آئے؟" گلاس واپس رکھتے ہوئے آفاق نے استفسار کیا تا کہ امبرینہ کی بھی

www.luratech.com

”ایک تو ہمیشہ غلط وقت پہ آتا ہے“۔ ان کا ارادہ کوئی خوبصورت سی جسارت کرنے کا تھا۔
”آ جاؤ آفاق اندر“۔ امبرینہ نے ان کے شانے پر ہاتھ مار کر پیچھے کیا۔
”وہ میں نے آواری ریسٹورنٹ میں ایک میز بک کروائی ہے ابھی رات 8 بجے کی اس لئے آپ دونوں میری طرف سے انوائٹ ہیں“۔ وہ سامنے بیٹھ گیا تھا۔
”اس لئے کہیں جائیے گا مت اور نہ کچھ کھانے کی ضرورت ہے“۔
”اور اگر ہم منع کر دیں تو؟“ اسحاق نے اُسے تنگ کرنا چاہا تھا۔
”تو آپ مت جائیے گا‘ میں اور بھابی چلے جائیں گے‘ کیوں بھابی؟“ آفاق اپنے بھائی کو خوب جانتا تھا۔
”اچھا‘ تم بیٹھو کھڑے کیوں ہو گئے؟“ امبرینہ نے اشارہ کیا۔
”تم بھی نا اپنے نام کے ایک ہو“۔ اسحاق نے مسکرا کر کہا۔
”تعریف کرنے کا شکریہ“۔ اس کی مسکراہٹ کا ساتھ دیتے ہاتھ پر ہاتھ مارا تھا۔
”میں ٹھیک طرح بات کرتا‘ مگر کچھ کام ہے“۔
ٹھیک 7:30 بجے وہ تینوں گاڑی میں بیٹھے تھے‘ گاڑی کا رُخ ریسٹورانٹ کی سمت تھا۔ گاڑی کو آفاق ڈرائیو کر رہا تھا‘ فرنٹ سیٹ پر اسحاق بیٹھے تھے اور پیچھے امبرینہ بیٹھی ان دونوں بھائیوں کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی‘ کبھی باہر کے حسین مناظر کو سراہتی۔ گاڑی سگنل پر رُکی تو ایک لڑکا آفاق کے پاس گجرے لے کر آیا۔
”صاحب! یہ لے لو“۔
”اچھا لاؤ‘ سب دے دو“۔ اس نے پیسے ادا کئے۔
”کیا تو اب اسے اپنے بالوں میں لگائے گا؟“ اسحاق نے حیرانگی سے اُسے دیکھا تھا۔
”شادی شدہ ہو گئے مگر عقل نہیں آئی ابھی تک‘ یہ میں نے بھابی کے لئے لئے ہیں“۔ اس نے پیچھے امبرینہ کو دیئے۔
”میں کیا کروں اس کا؟“ اس نے ناسمجھی میں آفاق پھر اسحاق کو دیکھا۔
”ایک کام کریں باہر پھینک دیں“۔ وہ چڑ کر بولا۔
”بھئی بالوں میں لگایئے اور اپنی خوبصورتی میں چار چاند لگایئے“۔
”اچھا تو یوں بولو ناں“۔ اس نے تمام موتیے کے گجروں کو اپنے بالوں کی زینت بنا لیا۔
”ایک بات اور یہ جو ہر دم اس ناک پر گلاسز دھرا رہتا ہے تھوڑا اوپر کر لیجئے ورنہ نیچے گر جائے گا“۔ امبرینہ نے آفاق کو دیومر سے ہی گھورا تھا جو ہر دم اس کے گلاسز پر ہی اسے چھیڑتا رہتا تھا‘ وہ دونوں مسکرا دیئے اتنے میں ریسٹورانٹ آ گیا۔

..........☆..........

”اوکے گڈ نائٹ“۔ آفاق ان دونوں پر ایک نگاہ ڈالتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔
”واقعی تم آج بہت اچھی لگ رہی ہو“۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑی جیولری اُتار رہی تھی اور وہ پیچھے آ کر اس کے حسین سراپے میں کھوئے سے بولے تھے۔
”اچھا کتنی؟“ وہ آئینے میں پیچھے کھڑے اس کے عکس کو دیکھ کر بولی۔
”بتاؤں کتنی؟“ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے گرد مضبوط حصار کھینچ دیا۔
”ارے ارے صبر کریں مجھے اُلجھن ہو رہی ہے اس ساڑھی سے‘ چینج تو کر لوں“۔ وہ خود کو ان کی مضبوط بانہوں

تسلی ہو جائے۔
”ہاں تو بس آتا ہی ہو گا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے“۔ وہ جانے لگی تھیں۔
”امی!“ آفاق نے وہیں سے پکارا تھا۔
”اب کیا ہے؟“ وہ رُک کر مڑی تھیں۔
”آپ کو کیسے پتا چلا؟“ اس کی تسلی کے لئے اس نے پھر پوچھا تھا۔
”فون کیا تھا اس نے 6 بجے کہ میں 9 یا 9:30 تک گھر آؤں گا“۔
”آپ نے بتایا کیوں نہیں؟“ انداز جرح کرنے کا سا تھا۔
”ضرورت کیا تھی جب مجھے پتا چل گیا کہ وہ دیر سے آئے گا‘ کافی نہیں ہے کیا؟“ انہوں نے اُلٹا اسی سے پوچھ لیا۔
”مگر بھابی تو پریشان......“
”تمہیں اتنی فکر کیوں ہے ہر کسی کی؟“ یہ بات انہیں آگ لگا گئی تھی۔
”اور تم جلدی بناؤ روٹیاں‘ اگر وہ آئے گا تو تمہاری شکل دیکھ کر پیٹ نہیں بھرے گا“۔ وہ جاتے جاتے بھی امبرینہ پر چوٹ کر گئیں۔
”بھابی!“ وہ کہیں کھوئی ہوئی تھی کہ آفاق نے آگے ہاتھ لہرایا تھا۔
”اونو...... یہ روٹی جل گئی“۔ وہ توے پر سے روٹی اُتارنے لگی۔
”بھابی! آپ بُرا مت منایئے گا“۔ وہ کچھ شرمندہ ہوا ساجدہ بیگم کے رویے سے۔
”ارے اس میں بُرا منانے کی کون سی بات ہے‘ وہ ماں ہیں کچھ بھی بول سکتی ہیں“۔ وہ روٹی کو ہاٹ پاٹ میں رکھنے لگی۔
”شکر آپ آ گئے“۔ وہ کمرے میں آئی تھی۔
”ہاں فون کیا تو تھا مگر اتنی دیر سے مت آیا کریں میں پریشان ہوتی ہوں“۔ وہ اپنے گلے میں پڑی گولڈ کی چین کو گھمانے لگی۔
”اے! پریشانی کس بات کی‘ میں کہیں ہمیشہ کے لئے تھوڑی جا رہا ہوں؟“ انہوں نے اس کی ناک پر دھرا گلاسز کو چھیڑا تھا۔
”اللہ نہ کرے“۔ اس نے فوراً اُن کے منہ پر ہاتھ رکھا۔
”کیسی باتیں کرتے ہیں“۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسوؤں کا ڈھیر جمع ہو گیا تھا۔
”ارے پگلی! یہ آنسو کس بات کے ہیں؟“ انہوں نے اس کا جھکا چہرہ اوپر اُٹھایا۔
”بس آپ ایسی باتیں نہیں کیا کریں“۔ اس نے اپنا سر اسحاق کے کندھے پر رکھ دیا۔
”اچھا بھئی نہیں کرتے بس‘ یہ کان پکڑتے ہیں“۔ وہ تھوڑا پیچھے ہوئے اور ہاتھ کانوں پر رکھ دیا۔
”اچھا چلیں معاف کیا‘ جائیں فریش ہو جائیں میں کھانا لگاتی ہوں“۔ وہ چلی گئی۔
رات کا کھانا کھا کر ساجدہ بیگم اپنے کمرے میں سونے چلی گئیں‘ کچن میں امبرینہ برتن دھونے لگی‘ جب دھو کر اندر کمرے میں آئی تو آفاق اور اسحاق کسی بات پر مسکرا رہے تھے۔
”یہ کس بات پر مسکرا رہے تھے آپ دونوں“۔ وہ اسحاق کے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔
”کچھ نہیں بس یہ محترم چاہتے ہیں کہ ان کی شادی اب ہو جانی چاہیے“۔ اسحاق شوخی سے مسکرائے تھے۔

"اچھا یہ تو بڑا نیک ارادہ ہے دیور جی کا"۔ اس نے آفاق کو دیکھا۔
"جی بھابی! میں آپ کو اکیلا کام کرتے دیکھتا ہوں تو بڑا دکھ ہوتا ہے' اس لئے میں نے سوچا کہ آپ کے ساتھ کوئی آپ کا ہاتھ بٹانے والا بھی ہونا چاہئے ناں"۔ اس نے معصومیت سے کہا۔
"اچھا' اب یہ بٹرنگ چھوڑیں اور اصل بات کی طرف آئیے"۔ وہ تھوڑا سنبھل کے بیٹھی تھی۔
"بھابی! اس کا نام لیلیٰ ہے' ہم پہلے ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے وہ مجھ سے ایک سال جونیئر تھی' میں اسے پسند کرتا ہوں اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ آپ کی کزن ہے"۔ اس نے سب کچھ کھل کر بتایا۔
"میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں"۔ اس نے سر کو تھوڑا جھکا لیا تھا۔
"دیکھو تو سہی شرما کیسے رہا ہے"۔ اسحاق نے امبرینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔
"آپ لوگ مذاق اُڑا رہے ہیں' جائیں میں جا رہا ہوں"۔ آفاق نے دونوں کو مسکراتا دیکھا تو تپ کے کھڑا ہو گیا۔
"ارے آفاق بیٹھو"۔ وہ بھی کھڑی ہوئی۔
"یہ تو ایسے ہی ہیں تم اپنی بات کرو میں سن رہی ہوں"۔ اس نے اسحاق کو گھورا اور چپ رہنے کا اشارہ کیا۔
"پھر آپ ہنسیں گی تو نہیں ناں"۔ وہ بچوں جیسی معصومیت سے بولا تھا۔
"نہیں"۔
"بھابی! میں چاہتا ہوں کہ....."
"ہاں یار تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو اور وہ تم سے' اس کے بعد بولو"۔ اسحاق نے مسکرا کر پھر بات کاٹی۔
"آپ چپ نہیں ہوں گے"۔ امبرینہ نے اسحاق کو گھورا تھا۔
"اچھا' اب میں کچھ بھی نہیں بولوں گا' بس یہ لو"۔ انہوں نے اپنی انگلی منہ پر رکھ لی تھی۔
"ہاں تو آفاق! پسند اپنی جگہ کیا امی اور بجو' ابا جان جائیں گی کیا؟" وہ اب سیریس ہو گئی تھی کیونکہ مسئلہ اب اس کی کزن کا بھی تھا۔
"ہاں تو اسی لئے تو میں آپ کے پاس آیا ہوں"۔ اس نے اُمید سے کہا۔
"میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟" اس کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آفاق اس سے کیا کام کروانا چاہتا ہے۔
"آپ بس میری اور لیلیٰ کی شادی کی بات امی سے کر لیجئے"۔ اس نے رُک رُک کے کہا تھا۔
"کیا غضب کر رہے ہو' امی اور میری بات مان جائیں گی کیا؟" وہ کچھ پریشان ہوئی۔
"تم بجو سے کیوں نہیں کہتے' وہ تو تمہیں چاہتی بھی بہت ہیں وہ امی کو منا لیں گی"۔ اس نے اپنی تجویز پیش کی۔
"مگر میں چاہتا ہوں کہ پہلے آپ امی سے بات کریں' کیونکہ لیلیٰ آپ کی کزن ہوتی ہیں"۔
"ٹھیک ہے کر لوں گی بات' اگر وہ نہ مانیں تو.....؟"
"اب آپ ڈرائیں تو نہیں"۔ وہ واقعی اندر سے ڈر گیا تھا۔
"آفاق! سوچ لو امبرینہ پر کوئی بات نہیں آنی چاہئے بعد میں"۔ اسحاق کا لہجہ بھی بھرپور سنجیدہ تھا۔
"نہیں بھابی پر کوئی بات نہیں آئے گی' میں ہوں نا ان کے پیچھے"۔ اب وہ کھڑا ہوا۔
"اچھا تو بھابی! کل شام میں بات ہو گی' رات کے گیارہ بج رہے ہیں"۔ ہاتھ میں بندھی گھڑی دیکھی۔
"نیند بھی آ رہی ہے"۔ اس نے جمائی لی تھی اور شاید سکون کی سانس بھی لی تھی۔
"امی سے بات کرنی تو پڑے گی"۔ آفاق کے جانے کے بعد وہ گہری سوچوں سے نکل کر اسحاق کو دیکھنے لگی تھی۔

"امبرینہ! امی کچھ اُلٹا سیدھا تمہیں ہی نہ کہہ دیں"۔ اسحاق نے ایک بار پھر امبرینہ کو منع کرنا چاہا تھا۔
"تو کیا ہوا؟" وہ مسکرائی۔
"آپ تو ساتھ ہیں ناں میرے؟" اس نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا' وہ ان کا ڈر بھی سمجھتی تھی۔
"ارے ہم تو ہمیشہ تمہارے ساتھ ہی ہیں"۔ انہوں نے اس کے رخسار کو نرمی سے چھوا تھا۔
"بس تو پھر ڈرنا کیسا؟" اب اس کی مسکراہٹ میں جہاں بھر کا اطمینان تھا۔

.....☆.....

"امی!" وہ دونوں ساجدہ بیگم کے کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے۔
"کیا بات ہے؟" وہ کوئی کام کر رہی تھیں سر اُٹھایا تو سامنے اسحاق اور امبرینہ کو ایستادہ پایا تھا۔
"امی! آپ سے ایک بات کرنی تھی"۔ وہ سامنے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔
"ہاں کرو"۔ انہوں نے پہلے امبرینہ کو نخوت بھری نظر سے دیکھا پھر اسحاق کو ممتا بھری نظروں سے دیکھا۔
"امی! وہ آفاق شادی کرنا چاہتا ہے' وہ میری کزن لیلیٰ کو....."
"تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس کی بہنیں موجود ہیں اور ماں زندہ ہے"۔ انہوں نے نا صرف اس کی بات کاٹی بلکہ نفرت بھری نگاہ سے اس کو کند چھری سے ذبح بھی کر ڈالا۔
"اللہ آپ کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے امی!" اس نے محبت سے کہا۔
"میں تو صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ آفاق کو لیلیٰ پسند ہے اور وہ اس سے شادی....."
"اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟" ساجدہ بیگم نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اسے بُری طرح ٹوک دیا تھا۔
"اس کی اتنی ہمت کیسے ہوئی یہ بات کرنے کی"۔ وہ کھڑی ہو گئیں۔
"تو امی! اس میں حرج ہی کیا ہے اگر وہ اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کرنے دیں"۔ اسحاق کو ان کا یہ تضحیک آمیز لہجہ ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔
"تم نے اگر اپنی من مانی سے شادی کر لی تو کیا میں اُسے بھی کرنے دوں' میں نے تمہاری بات اس لئے مانی تھی کہ میں تم کو سب سے زیادہ چاہتی ہوں ورنہ مجھے کیا معلوم کہ جو یہ کہہ رہی ہے یہ سچ ہے یا نہیں"۔ انہوں نے منہ پھیرا۔
"نہیں امی! امبرینہ جو کہہ رہی ہے وہ سچ ہے"۔ انہوں نے اس کی طرفداری کی تھی۔
"اچھا' اچھا بس میں خود بات کر لوں گی اُس سے"۔ انہوں نے اسحاق کو دیکھا۔
"اور کچھ؟" ان کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہوں اب وہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتی ہیں۔
"نہیں کچھ نہیں"۔ دونوں نے ایک خاموش نگاہ ساجدہ بیگم پر ڈالی اور کھڑے ہوئے۔
"اور سنو لڑکی!" انہوں نے پکارا تو وہ مڑی جبکہ اسحاق اسی طرح منہ موڑ کے کھڑے رہے تھے۔
"تمہیں اس معاملے میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ یہ تمہارا مسئلہ ہے"۔ انہوں نے حقارت بھری نظروں سے دیکھا۔
"اب جاؤ"۔ یہ سوچے بغیر کہ اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں پھر بھی انہوں نے رُخ موڑ لیا اس کی طرف سے۔
"کہا تھا کہ سوچ لو پہلے مگر تم نہیں مانیں"۔ وہ بیڈ پر غصے سے بیٹھے تھے۔
"کوئی بات نہیں"۔ امبرینہ ان کے غصے کو کم کرنے کو بشاش لہجے میں بولی۔

(جاری ہے)

قمروش اشوک

مکمل ناول

آخری حصہ

زندگی کی پرچھائیاں

''ادھر دیکھو!'' انہوں نے اس کی ٹھوڑی اوپر کی تھی جانتے تھے اس کی برداشت کی حد۔
''یہ آنسو کیسے ہیں؟'' انہوں نے اس کی آنکھوں سے گلاسز اُتار کے پلکوں پر سجے موتی اپنی مضبوط پوروں پر چنے تھے۔

''بس ویسے ہی آ گئے'' ۔ اس نے ہاتھ ہٹانا چاہا تھا' نگاہ جھکا گئی تھی۔
''اچھا بھول جاؤ اس لمحے کو اور میری طرف دیکھو''۔
''جی کہیے!''
''چلو تیار ہو جاؤ' ہم باہر کہیں گھومنے چلتے ہیں' کافی دن ہو گئے ہیں ساتھ کہیں باہر گئے ہوئے'' ۔ اس کا موڈ درست کرنے کے لئے کہا تھا جسے وہ مان گئی تھی۔
''تیار تو ہوں'' ۔ اس نے ہلکے پنک کلر کا سوٹ پہن رکھا تھا جس پر بلیک دھاگے سے کڑھائی ہوئی تھی۔
''ہاں بس ذرا منہ دھولو اور کسی بات کو دل پر مت لیا کرو' سمجھو کچھ ہوا ہی نہیں''۔
''جی بہتر' اب جاؤں؟'' وہ کھڑی ہونے لگی تھی۔
''ہاں جاؤ'' ۔ انہیں بھی دُکھ تھا اس بات کا مگر مجبور تھے کچھ کہہ نہیں سکتے تھے وہ اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے اور کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے تھے۔

............☆............

"ٹرن...... ٹرن...... ٹرن"۔ فون کی بیل بجی تھی۔

امبرینہ نے ریسیور اٹھایا' لاؤنج میں اس وقت وہ' اسحاق اور ساجدہ بیگم بیٹھے تھے۔

"ہاں میں بات کر رہی ہوں سمعیہ!" اس کی آواز سن کر سمعیہ نے اکڑ کے کہا۔

"السلام علیکم!" اس نے خوشدلی سے کہا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"میں نے تمہیں حال احوال پوچھنے کے لئے فون نہیں کیا بلکہ اس لئے کیا ہے کہ تمہاری عقل میں میری بات آرام سے بیٹھ جائے"۔ انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔

"جی میں سمجھی نہیں"۔ اس کی آواز زندھ گئی جسے سامنے بیٹھے اسحاق نے محسوس کیا۔

"اتنی نا سمجھ نہیں ہو کہ کچھ نہ سمجھو"۔ انہوں نے نخوت سے کہا تھا' وہ کچھ دیر رکیں۔

"میں نے تمہیں اس لئے فون کیا ہے کہ جو تم چاہتی ہو وہ کبھی پورا نہیں ہو سکتا"۔

"کیا پورا نہیں ہو گا؟" اس کی کچھ سمجھ نہیں آیا' اسحاق کا اب سارا دھیان اسی کی طرف تھا۔

"یہی کہ آفاق کی شادی تم اپنی کزن سے کرو"۔ انہوں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہیں کوئی ضرورت نہیں اس معاملے میں بولنے کی' یہ ہمارا مسئلہ ہے تمہارا نہیں تم اپنے کام سے کام رکھو' سنا تم نے"۔ انہوں نے زور سے کہا تھا۔

"وہ تو بچہ ہے اسے تمہاری چالاکیوں کی کیا خبر؟" ان کے منہ میں جو آیا انہوں وہ کہا' خوب فون پر بے عزت کیا اُسے' جب دل بھر گیا تو ریسیور کریڈل پر پٹخا تھا' جس سے اس کی سماعت جھنجھنا اٹھی۔

"کس کا فون ہے؟" اسحاق اس کے قریب آئے جو کہ صوفے پر بیٹھے اسے خاموشی سے کچھ سنتے دیکھ رہے تھے اور ساجدہ بیگم وہ سمجھ گئیں تھیں کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے اس بات کی خبر سمعیہ ہی کو دی تھی۔

"جی"۔ وہ ہڑبڑا سی گئی۔

"میں نے پوچھا ہے کس کا فون تھا؟" انہوں نے جھک کر کہا۔

"وہ اپیا کا فون تھا خیریت معلوم کرنے کے لئے فون کیا تھا"۔ نظریں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم!" آفاق ہنستا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

"وعلیکم السلام! یہ تم کہاں پھر رہے ہو؟" ساجدہ بیگم نے ٹوکا' جو ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہی تھیں۔

"کہیں نہیں امی! یہیں تو ہوں آپ کے سامنے"۔ وہ صوفے پر ان کے برابر میں ہی بیٹھا۔

"اور یہ آپ دونوں کو کس نے سزا دی ہے جو اس طرح کھڑے ہیں؟" اس نے ریموٹ ہاتھ میں لیا اور اسحاق' امبرینہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں یاد آیا بھائی' فاروقی صاحب نے آپ کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے"۔ اس نے چینل بدلا تھا۔

"اچھا!" وہ امبرینہ کے برابر میں بیٹھ گئے۔

"مگر مجھے تو کچھ نہیں کہا تھا"۔

"انہوں نے مجھے انویٹیشن کارڈ دیا ہے بھائی! آپ کی ٹیبل پر ہی تو رکھا تھا آپ نے دیکھا نہیں"۔ وہ سنجیدہ ہوا۔

"نہیں دراصل میں آج فائلز دیکھنے میں مگن تھا اس وجہ سے میری نظر نہ پڑ سکی"۔ وہ مسکرائے۔

"ویسے کس چیز کی دعوت ہے یہ؟"

"ارے آپ کو نہیں معلوم' بھئی ان کا پروجیکٹ مکمل ہو گیا ہے اسی خوشی میں"۔ وہ مسکرایا۔

"بھابی! او واپس آ جایئے' بن گیا پاکستان' جس کو بنے 60 سال ہو چکے ہیں"۔ وہ کب سے بیٹھی ایک ہی پوزیشن میں تھی جس کی سوچوں کے تمام دھاگے سمعیہ کی باتوں میں اُلجھے تھے۔

"آں...... ہاں"۔ وہ جیسے گہری سوچ سے جاگی تھی۔

"بھابی! چائے ملے گی؟" اس نے درخواست کی۔

"ہاں کیوں نہیں' ابھی لاتی ہوں"۔ وہ وہاں سے چلی گئی۔

"کر لیں تم لوگوں نے اپنی باتیں"۔ اب کے ساجدہ بیگم بولیں۔

"جی امی! کوئی بات کرنی تھی آپ نے؟" آفاق مڑا۔

"ہاں' میں نے سمعیہ اور لامیہ کی فیملی کو دعوت پر بلایا ہے"۔ انہوں نے اپنا دوپٹہ سر پر ٹکایا' وہ زیادہ تر ہلکے کلر کے پھولوں کے چھوٹے سے ڈیزائن والے کپڑے زیب تن کرنا پسند کرتی تھیں' اس پر کاٹن کا سفید چکن کا دوپٹہ لیتی تھیں۔

"آپ نے بتایا نہیں امی!" اسحاق نے حیرانگی سے پوچھا کیونکہ ساجدہ بیگم جو بھی کام کرتی تھیں اس کا سب سے پہلے اسحاق کو بتاتی تھیں یا پھر اسی سے مشورہ لیتی تھیں۔

"اب تو بتا رہی ہوں"۔ انہوں نے کچھ تیز لہجے میں کہا۔

"اور ویسے بھی اب تمہارے پاس فرصت کہاں ہے کہ گھڑی دو گھڑی ماں کے پاس بیٹھو"۔ انہوں نے یہ جملہ چائے اندر لاتی امبرینہ کو دیکھ کر کہا' وہ کیا کہہ سکتے تھے اس لئے خاموش رہے۔

"یہ لیں چائے"۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ وہ لوگ سب کل آ رہے ہیں تم لوگ گھر پر رہنا"۔

"ٹھیک ہے امی!" آفاق نے کپ اٹھایا۔

"اور ویسے بھی ہمیں تو اتوار کو جانا ہے اور آج تو جمعرات ہے"۔ اس نے چائے کا ایک سپ لیا۔

"کس دن جانا ہے یا نہیں مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں' مگر کل تم دونوں گھر پر ہی موجود رہو گے"۔ انہوں نے جیسے اٹل فیصلہ کیا۔

"جی بہتر امی!" اسحاق نے بھی کپ اٹھا لیا۔

"امی! کل کیا پکے گا؟" امبرینہ نے کل کے کھانے کے بارے میں پوچھا۔

"ہاں تم ایسا کرنا کہ لامیہ تو بریانی شوق سے کھاتی ہے' اقبال کو اچار گوشت بہت پسند ہے' جاوید کو قورمہ اور شائلہ کو تو کسی کوفتے' نوید کو کباب اور رائحہ' سارہ کے لئے کھیر بنا لینا' اوکے"۔

"امی! اتنی ساری ڈشز؟" آفاق انگلیوں پر ڈشز گننے لگا۔

"ہاں تو تمہاری بہنیں روز روز نہیں آتی ہیں"۔ وہ کھڑی ہوئیں۔

"اور نہ یہ سب کچھ پکا کر اس کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جائیں گے' صبح سے بنائے گی تو شام تک تیار ہو جائے گا"۔ انہوں نے امبرینہ کو گھورا۔

"میں ذرا سامنے والے گھر میں جا رہی ہوں' ان کی امی کی طبیعت خراب ہے وہ ہی پوچھنے جا رہی ہوں"۔ وہ چلی گئیں۔

"جی جناب! آپ دونوں بھی اپنی پسند بتائیے"۔ امی کے جانے کے بعد امبرینہ نے اُن دونوں کی طرف دیکھا' کچھ دیر پہلے فون پر سمیعہ سے ہونے والی گفتگو کا شائبہ تک نہ تھا۔

"شرمندہ کررہی ہیں بھابی آپ"۔ آفاق نے کپ رکھا۔

"ارے اس میں شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے' میں تو ایسے ہی مذاق کررہی تھی"۔ اس نے بات کو مزاح کا روپ دیا تھا۔

"اچھا' ایسا کرتے ہیں کہ کل میں آپ کے ساتھ آپ کا ہاتھ بٹادوں گا"۔ اس نے چٹکی بجائی۔

"جی شکریہ' مجھے مرد کچن میں کام کرتے ہوئے اچھے نہیں لگتے"۔ وہ ٹرے میں سارے کپ رکھ کر لے جانے لگی' اسحاق اس سارے لمحے خاموش بیٹھے رہے' اس کے جانے کے بعد دونوں بھائی اپنے آفس کی باتیں کرنے لگے۔

.....☆.....

"اُف اللہ! اتنی بدبو"۔ وہ کچن میں آئیں تو دوپٹہ ناک پر رکھا۔

"بھابی! یہ گھر کے سارے نوکر کہاں ہیں"۔ وہ اب مسز راحیل کے پاس ان کے کمرے میں آئیں۔

"کیا گھر کی آج صفائی نہیں ہوئی؟" ان کا کمرہ بھی نہایت پھیلا ہوا تھا۔

"ارے جب سے یہ آئی ہے سارے نوکروں کو گھر سے نکال دیا ہے"۔ وہ اُٹھ کر آرام سے بیٹھیں۔

"اپنے کمرے کی صفائی ہی میں گھنٹے لگا دیتی ہے کہ کچھ پوچھو نہیں' اسی میں اتنا تھک جاتی ہے کہ بعض اوقات ہوٹل سے کھانا منگواتی ہے"۔ انہوں نے صاف بُرائی کی اپنی بہو کی۔

"تو جب کام نہیں کرتی ہے تو نوکروں کو کیوں نکالا اس نے"۔ ساجدہ بیگم نے ساتھ ہی چیئر صاف کرکے پوچھا پھر اسی پر بیٹھ گئیں۔

"ارے کہتی ہے کہ فضول کے پیسے پھینکنے والی بات ہے' یہ ہی پیسے کام آجائیں گے اس پر اس کا بیٹا اتنا شرارتی ہے کہ پوچھو نہیں"۔

"بھابی! کچن میں سے بھی اتنی بدبو آرہی ہے"۔ ساجدہ بیگم نے ناک سکوڑی تھی۔

"ہاں تو مہینے میں ایک دفعہ صاف ہوگا تو یہی حال ہوگا"۔

"تو یہ عارف کچھ کہتے نہیں ہیں کیا؟" وہ اب باقاعدہ ان کا کمرہ سمیٹنے لگیں۔

"عارف.....!" انہوں نے بُرا منہ بنایا۔

"اس پر تو نہ جانے کیسا عمل پھونک دیا ہے کہ بالکل بیوی کا غلام بن کر رہ گیا ہے"۔ انہوں نے غصے سے کہا۔

"حیرت ہے بھابی! آپ تو اتنی صفائی پسند ہیں اور یہ حال ہوگیا گھر کا"۔ وہ اب ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"ہاں کیا کروں' یہ بیماری ہی پیچھا نہیں چھوڑتی کہ کچھ کرسکوں"۔ انہوں نے بے چارگی سے کہا۔

"پانی تک پینے کے لئے خود اُٹھنا پڑتا ہے' بہو اتنی بدتمیز' زبان دراز ہے اپنے شوہر تک کا خیال نہیں' 12 بجے تو ان محترمہ کی صبح ہوتی ہے' عارف صبح 7 بجے اُٹھ کر اپنے لئے ناشتہ بناتا ہے اور منے کے لئے' اس کو اسکول کے لئے تیار کرتا ہے پھر خود تیار ہوتا ہے' جاتا ہے اس کو اسکول چھوڑنے پھر آفس جاتا ہے' شام کو جب آتا ہے تو وہی چخ چخ بازی شروع ہوجاتی ہے' اب تو عادت ہوگئی ہے ان باتوں کی"۔ انہوں نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا یہ سب کہہ کر۔

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو' یہ تو بتاؤ کہ تمہاری بہو کیسی ہے' سنا ہے کافی خوش اخلاق ہے' میری تو طبیعت خراب ہے اس لئے میں آ نہ سکی"۔ وہ تکلیف سے کراہنے لگیں۔

"آپ ایسا کریں سوجائیں' میں چلتی ہوں"۔ وہ بات کاٹ کر کھڑی ہوگئی تھیں۔

"ارے بیٹھو بھئی' اتنی دیر نہیں ہوئی تم کو آئے ہوئے"۔

"نہیں بھابی! پھر سہی"۔ وہ چلی گئیں کچھ کہا اس لئے نہیں کہ اب تک کوئی خرابی نہیں دیکھی تھی امبرینہ میں۔

.....☆.....

"اچھا امی! ہم جارہے ہیں اللہ حافظ"۔ وہ دونوں ساجدہ بیگم سے کہنے لگے جو لاؤنج میں بیٹھی کوئی میگ دیکھ رہی تھیں۔

"جاؤ بچو! اللہ تمہارا نگہبان"۔ انہوں نے دُعا دی۔

"اور ہاں شام میں جلدی آجانا یاد ہے ناں کہ آج تمہاری بہنوں کی دعوت ہے"۔ انہوں نے میگ رکھا۔

"جی بہتر امی!" وہ چلے گئے' امبرینہ کچن میں کھانا بنانے میں مصروف تھی' شام 5 بجے تک وہ سب لوگ آگئے تھے۔

"السلام علیکم امی!" ان سب نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہو تم سب؟" انہوں نے بچوں کو اپنے پاس بلایا تھا۔

"السلام علیکم!" وہ کچن سے نکلی' گلابی رنگ کا سادہ سا سوٹ پہنا تھا' دونوں نندوں نے منہ پھیر لیا جبکہ جاوید اور اقبال نے جواب دیا۔

"کیسے ہیں آپ لوگ؟"

"ہاں ٹھیک ہیں' آپ سناؤ کیسی ہو آپ؟" اقبال مسکرائے۔

"جی ٹھیک"۔ وہ دوبارہ کچن میں چلی گئی۔

"ہیلو ہیلو"۔ اسحاق لوگ بھی سوا چھ بجے تک گھر آگئے تھے' اسحاق سلام کرکے اقبال کے برابر میں بیٹھ گئے۔

"یہ لیجئے جناب!" وہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی' میز پر اس نے چائے اور بہت سے لوازمات سجادیئے۔

"ارے اس کی کیا ضرورت تھی"۔ جاوید نے دیکھا کہ میز کافی لوازمات سے سجی تھی۔

"ضرورت کیوں نہیں تھی بھئی' آپ لوگ اتنے دنوں بعد آئے ہیں اسی لئے ہر چیز کھانی پڑے گی"۔ اس نے خوشدلی سے کہا۔

"تم بھی تو بیٹھو بھئی"۔ جاوید نے ایک بسکٹ اُٹھایا۔

"جی آپ لوگ کھائیں' میں ابھی کچن سے آتی ہوں"۔

"اور بھئی اسحاق کیسا چل رہا ہے بزنس؟" جاوید نے کیک اٹھایا اور منہ میں رکھا۔

"جی بھائی جان! اچھا جارہا ہے' آپ لوگ بیٹھیں میں چیزیں کرلوں"۔ وہ کمرے میں چلے گئے۔

"بھابی! آجایئے چائے ٹھنڈی ہورہی ہے"۔ آفاق نے وہیں سے ہانک لگائی۔

"کیا ابھی تک پکا نہیں"۔ ساجدہ بیگم کچن میں آئیں' وہ اس وقت بریانی دم پر رکھ رہی تھی۔

"جی بالکل سب تیار ہے"۔ وہ وہاں سے ہٹی۔

"اچھا پھر وہ برتن وہاں سے اُٹھاؤ"۔ ایک نیا حکم صادر کیا گیا۔

"جی بہتر"۔ وہ جھک رہی تھی وہاں جانے سے' صبح سے جو کچن میں گئی تھی کھانا پکانے تو اب فارغ ہوئی تھی' جس کی وجہ سے اس کی حالت نہایت ہی ابتر ہوگئی تھی۔

برتن دھونے کے بعد وہ کمرے میں گئی تیار ہونے' لاؤنج میں آئی تو سب بیٹھے باتیں کررہے تھے' اس نے کالے

رنگ کا سلک کا سوٹ جس پر گرے کلر کے دھاگے سے کڑھائی ہوئی تھی اس پر اس نے بلیک کلر کی جیولری اور ہلکا میک اپ کیا تھا جس کی وجہ سے وہ نہایت ہی دلفریب لگ رہی تھی' اسے دیکھ کر اسحاق مسکرا دیئے۔

''ممانی جان! اچھی لگ رہی ہیں''۔ چھوٹی سارہ نے تعریف کی جبکہ دونوں نندوں نے دیکھنا تک گوارا نہ کیا۔

''ایسا کرو کھانا لگا دو' 8:30 تو ہو ہی گئے ہیں''۔ ساجدہ بیگم نے اسے دوبارہ کھڑا کر دیا۔

''جی بہتر امی!'' وہ چلی گئی تھی۔

''نانو! آپ گھر کب آئیں گی؟'' شائلہ نے ساجدہ بیگم کا ہاتھ پکڑا۔

''ہاں بیٹا! جلد آؤں گی''۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''امی! کھانا لگا دیا ہے چلیں آپ لوگ آ جایئے''۔ امبرینہ وہیں پر کھڑی رہی۔

''چلو بچو آؤ''۔ ساجدہ بیگم کھڑی ہو گئیں' ان کے پیچھے سب چل دیئے۔

''اچھی لگ رہی ہو''۔ اسحاق اس کے قریب آئے تو وہ مسکرا دی۔

''اسحاق' امبرینہ کہاں رہ گئے آپ لوگ''۔ جاوید نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے انہیں پکارا۔

''چلیں''۔ وہ ساتھ اندر داخل ہوئے۔ سب نے خوب سیر ہو کے کھانا کھایا اور تعریف کی۔

''بھابی! اتنے مزے کی آپ نے ڈشز بنائی ہیں' میں صرف ایک کی تعریف نہیں کر سکتا''۔ آفاق نے لمحے میں کباب اپنے منہ میں رکھا تھا اور دل سے تعریف کی تھی۔

''بس اب میری محنت وصول ہو گئی''۔ وہ مسکرانے لگی۔ جب سب نے کھا لیا تو وہ برتن اُٹھا کے کچن میں لے جانے لگی۔

''شائلہ بیٹا! جلدی جلدی یہ سارے برتن اُٹھا کر اندر مامی کو دے کر آؤ''۔ آفاق نے شائلہ سے یہ کام کہا۔

''جی اچھا ماموں!'' شائلہ کھڑی ہو گئی ساتھ ساتھ سارہ اور نوید نے ساتھ دیا' کیونکہ انہیں اپنی یہ نازک سی مامی بہت پسند آئیں تھیں اور اس پر اُن کا اخلاق۔

''تم لوگ جاؤ نا تو بلا رہی ہیں تم لوگوں کو''۔ لامیہ اندر کچن میں آئی۔

''ارے بچو! آپ''۔ وہ برتن دھونے کے لئے سیٹ کرنے لگی۔

''ہاں مجھے تم سے ایک بات کرنی تھی''۔ وہ پانی نکالنے لگیں فریج سے۔

''جی کہیئے''۔ اس نے اپنا کام چھوڑا۔

''مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ تمہیں ہمارے معاملے سے دور ہی رہنا ہے سمجھیں' آفاق کی شادی کہاں' کس سے' کب ہونی ہے ہم بہتر طریقے سے جانتے ہیں' اس گھر میں تم کو اپنی مرضی چلانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی آفاق کو بہکانے کی ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا''۔ وہ نفرت بھرے انداز میں کہہ کر چلی گئیں تھیں۔

اور وہ سناٹے میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی' چہرے کی جاذبیت میں زردی گھلی ہوئی تھی' باہر آئی تو اس کی رنگت اسحاق سے مخفی نہ رہ سکی۔

''اچھا امبرینہ! اب ہمیں اجازت''۔ اقبال کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ زبردستی کی مسکراہٹ سجاتی اسحاق کے برابر جا کھڑی ہوئی' ایک وہی تو سائبان تھا جس کی چھاؤں میں محفوظ تھی جس کی نرم و گرم ٹھنڈی محبت کی پھوار اُسے حوصلہ دیتی تھی۔ سب مہمانوں کے جانے کے بعد اس نے کچن صاف کیا' لاؤنج کی صفائی کی' ساجدہ بیگم اپنے کمرے میں چلی گئیں تھیں۔

آفاق بھی اپنے کمرے میں سونے چلا گیا تھا' اسحاق نے چینج کیا اور بیڈ پر نیم دراز سامنے کسی غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے ہوئے جانے کس گہری سوچ میں غوطہ زن تھے' امبرینہ نے ایک نگاہ ڈالی اور واش روم میں جا گھسی تھی' پنک نائی میں اسحاق کے برابر میں آ کر لیٹ گئی' اسحاق آہٹ پر چونک گئے تھے۔

''تھک گئی ہو کیا؟'' انہوں نے اس کے کھلے لمبے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔

''جی''۔ امبرینہ نے آنکھوں کی نمی چھپانے کے لئے ان پر اپنا بازو رکھ دیا تھا۔

''سونے کی نہیں ہو رہی' اب تو موقع ملا ہے تم سے ڈھیروں بات کرنے کا''۔ انہوں نے اس کی نرمی سے کلائی تھامی۔

''مجھے نیند آ رہی ہے اسحاق''۔ بے چارگی سے کہتی ہوئی اپنی کلائی چھڑانے لگی۔

''کوئی نیند نہیں آ رہی ہے' اُٹھ کے بیٹھو''۔ اور پھر انہوں نے زبردستی اس کے نازک شانے تھام کر اپنے قریب اٹھا دیا تھا۔

''اسحاق! تنگ نہیں کریں''۔ وہ ابھی تک لامیہ کی تلخ آمیز باتوں کے زیر اثر تھی' لب و لہجے سے ہی نہیں اس کے انداز سے بھی افسردگی جھلک رہی تھی۔

''مجھے معلوم ہے بچو کیوں آئیں تھیں کچن میں''۔ انہوں نے اس کی آہستگی سے کلائی تھامی۔

''میں نے تم سے کہا ہے نا کہ ان فضول باتوں کو نظر انداز کر دو' مت سوچو' تو کیوں نہیں مانتی ہو میری بات''۔ انہوں نے نرمی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ امبرینہ کو ان آنکھوں میں جہاں بھر کا پیار سمٹا نظر آیا تو وہ اپنی پلکوں سے گرتے موتیوں کو روک نہ پائی۔

''آپ بہت اچھے ہیں اسحاق!'' تشکر سے کہتی وہ ان کے چوڑے مضبوط سینے سے لگی تھی' اسحاق نے بھی کسی قیمتی متاع کی طرح اُسے خود میں سمویا تھا' یہ تو طے تھا کہ وہ اسے دُکھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

.....☆.....

''سنیئے!'' اسحاق اپنے بریف کیس میں سامان درست کر رہے تھے وہ پیچھے آ کر کھڑی ہوئی تھی۔

''ہاں بولو''۔ وہ فائل ٹھیک کرنے لگے۔

''وہ مجھے کراچی امی ابو کے پاس جانا ہے''۔ وہ انگلیوں کو سختی سے ایک دوسرے میں پیوست کئے ہوئے تھی۔

''کیا کہا؟'' وہ دھچکا کھا کے مڑے تھے۔

''مجھے ایک ہفتے کے لئے کراچی جانا ہے''۔ بلا تمہید کے اپنا مدعا بیان کیا۔

''کیوں یہاں دل نہیں لگ رہا''۔ انداز بھرپور شوخی لئے ہوئے تھا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔ وہ ان کی شوخیوں کو نظر انداز کر کے بولی تھی۔

''نہیں ایک ہفتے کیلئے تو بالکل نہیں' میں تمہیں اپنے سے ایک دن کے لئے بھی دور نہ کروں اور کجا ایک ہفتہ''۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' اس کے لہجے میں ہٹ دھرمی نمایاں تھی۔

''دیکھو امبرینہ! تمہیں معلوم ہے میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا پھر بھی.....''

''تو شادی کے بعد میں اپنے ماں باپ کو چھوڑ تو نہیں سکتی''۔ آج اس کا انداز مکمل ضدی سا تھا۔

''تو کس نے کہا ہے چھوڑنے کو' اب تو ایئر لائن والوں نے آسانی کی ہے کہ آپ دو تین گھنٹوں میں یہاں سے وہاں جائیں اور واپس یہاں آ جائیں' میں تم کو ملوا کر لے آؤں گا''۔ انہوں نے اس کے لہجے میں آئی ضد کو مکمل

نظر انداز کر دیا تھا۔
"مجھے کچھ نہیں معلوم' مجھے جانا ہے بس"۔ وہ نہایت ہی اٹل لہجے میں بولی تھی' آج اسحاق کا پیار بھی رُکاوٹ نہیں بنا تھا۔
"امبرینہ پلیز! ضد نہیں کرو"۔ انہوں نے التجائی لہجے میں کہا تھا۔
"نہیں مجھے جانا ہے اگر آپ نہیں چھوڑ سکتے تو آفاق کو کہہ دیجئے کہ چھوڑ دے گا مجھے"۔
"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟" وہ جھنجھلا گئے اس کی ضد سے۔
"ہاں میرا دماغ خراب ہو گیا ہے' مجھے اب ہر حالت میں جانا ہے آئی سمجھ آپ کو' میں آپ کی بالکل نہیں سنوں گی' میں نہیں جانتی مجھے کراچی پہنچانے یا بھیجنے کا انتظام کریں' چاہے کچھ بھی ہو مجھے جانا ہے"۔ آج پہلی بار وہ اسحاق سے چیخ کر بات کر رہی تھی اور نہایت ہی غصے بھی ہو رہی تھی' مسلسل اسحاق کے منع کرنے کے باوجود اپنی بات کر رہی تھی' بالکل بھی اسحاق کی نہیں سن رہی تھی۔
"کچھ بھی ہو جائے میں جاؤں گی' میں اکیلی بھی جا سکتی ہوں"۔ اس نے آخر میں اسحاق کو زچ کر دیا۔
"چناخ..... نہیں تو نہیں"۔ پہلی دفعہ انہوں نے ہاتھ اُٹھایا تھا' شاید یہ بات برداشت نہ ہوئی تھی ان سے۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر سناٹے میں آ گئی' کہا تو صرف بس یہ کہ۔
"ایک یہ ہی تو کسر آپ کی امی اور بہنوں کی طرف سے رہ گئی تھی جو آج آپ نے پوری کر دی"۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے جھرنے بہنے لگے تھے' وہ رُخ اپنا پھیر چکی تھی۔
"اے....." انہوں نے اسے شانوں سے پکڑ کر خود سے قریب کیا۔
"اس وقت میں بہت جلدی میں ہوں' آج میری بہت اہم میٹنگ ہے اور فیکس آنے والا ہے' میں تمہیں آ کے منا لوں گا"۔ وہ بریف کیس اُٹھا کر چلتے چلے گئے تھے اور وہ دیکھتی رہ گئی۔

☆

"بھابی! کیا پکا ہے آج؟" آفاق ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ وہ روز لنچ ٹائم پر گھر آتا' لنچ کرنے کے بعد ایک گھنٹے کی نیند پوری کرتا' پھر تین بجے آفس چلا جاتا جبکہ اسحاق آفس میں ہی لنچ کرتے۔
"آج ارہر کی دال اور بھنا ہوا قیمہ"۔ وہ پلیٹیں میز پر رکھنے لگی۔
"اوہ..... زبردست"۔ اس نے قیمے کی ڈش اُٹھائی۔
"چلیں امی!" امبرینہ پانی کا جگ لے کر آئی۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے برتن اُٹھائے' اپنے کمرے میں چلی گئی۔
شام کو اسحاق تھوڑی دیر سے گھر آئے' اسے صبح کی بات یاد تھی اس لئے وہ ناراض تھی' وہ کمرے میں آئے بریف کیس صوفے پر پھینکا موزے الگ جوتے الگ پھینکنے کے انداز میں رکھا تھا اور آ کر بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹے تھے۔ تھوڑی دیر وہ یہ سب دیکھتی رہی تھی مگر دل میں ایک نامعلوم سی ہلچل ہوئی تھی ایسا لگا کچھ ٹھیک نہیں ہے' دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اُٹھی۔
بریف کیس وارڈ روب میں رکھا' جوتے اور موزے ریک میں رکھے اور پھر وہ بیڈ پر آنکھوں پر بازو رکھے اسحاق کے پاس آ بیٹھی تھی۔
"کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی؟" صبح کی ہر بات اس کے دل و دماغ سے محو ہو چکی تھی۔

"ہاں بس ذرا سر میں درد ہو رہا ہے شدید"۔ انہوں نے اپنی دُکھتی رگ کو انگلیوں سے دبایا تھا۔
"کیوں؟" وہ گھبرا اُٹھی تھی اور بے ساختہ ان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔
"آج کیا کام زیادہ کر لیا ہے؟"
"ہاں!" صرف اتنا ہی کہا تھا۔
"لائیے میں سر میں تیل ڈال دیتی ہوں"۔ وہ دراز سے تیل کی بوتل نکال لے آئی۔
"تکلیف نہ ہو تو....." وہ دھیمے سے مسکرائے اور بغور اس کا چہرہ تکنے لگے تھے کہ وہاں صبح کی تلخ ہو جانے والی بات کے کوئی آثار تو موجود نہیں ہیں مگر سمجھ نہیں پائے۔ وہ بیڈ پر ہی بیٹھے اور امبرینہ ان کے پیچھے گھٹنوں کو ٹیک کر بیٹھی اور سر میں تیل لگانا شروع کر دیا۔
"کچھ فرق پڑا؟" وہ بالوں میں انگلیاں سہلانے لگی جس سے انہیں کافی سکون ملا۔
"ہاں بس اب رہنے دو' میں تھوڑی دیر سوؤں گا"۔ انہوں نے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا جیسے ہی وہ ہاتھ ہٹا کر اٹھی انہوں نے اپنا سر اس کے زانو پر رکھ دیا۔
"ارے..... رے یہاں کہاں لیٹ رہے ہیں"۔ وہ ہڑبڑا کر پیچھے ہونے لگی تھی۔
"کیوں کیا ہوا' کپڑے خراب ہو جائیں گے کیا؟" انہوں نے دھیمے سے اس کی ناک چھوئی تھی۔
"ہٹیں یہاں سے ورنہ میں اپنے تیل کے دونوں ہاتھ آپ کے منہ پر مل دوں گی"۔ وہ ہاتھوں کو منہ کے قریب لائی تھی۔
"مجھے نیند آ رہی ہے بس"۔ وہ بھی اپنی ڈھٹائی نہیں چھوڑ رہے تھے' اس بحث کے درمیان دروازے پر دستک ہونے لگی تھی۔
"اسحاق بیٹا!" ساجدہ بیگم نے دروازے کے باہر ہی سے آواز دینا مناسب سمجھا تھا۔
"امی! آئیے نا"۔ آواز سنتے ہی وہ تیزی سے دروازے کی سمت بھاگی تھی دروازہ کھولنے کیونکہ شادی کے بعد پہلی دفعہ وہ کمرے میں آئیں تھیں۔
"اسحاق کو کیا ہوا ہے' ابھی تک چائے پینے نہیں آیا"۔ اسحاق کو بیڈ پر لیٹا دیکھ کر وہ سیدھا ان کے سرہانے بیٹھی تھیں۔
"وہ امی! ان کے سر میں درد ہو رہا ہے"۔ امبرینہ نے کہا تھا۔
"اچھا لاؤ بیٹا! میں تیل لگا دوں"۔ انہوں نے فکرمندی سے ان کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔
"نہیں امی' امبرینہ نے لگا دیا ہے"۔ ساجدہ بیگم کا ممتا سے نرم گرم ہاتھ اسحاق نے تھام لیا۔
"سنو' تم ایسا کرو کہ گرم دودھ میں چینی ڈال کر لاؤ اور اس کے ساتھ ہی ایک سر درد کی گولی لاؤ"۔ وہ اس سے مخاطب ہوئیں اور امبرینہ ان کا یہ حکم سن کر فوراً بھاگی تھی۔
"دودھ کا گلاس اور ٹیبلٹ کس کے لئے بھابی؟" آفاق کمرے سے نکلا تو اسے جاتا دیکھا۔
"وہ اسحاق کے سر میں درد ہو رہا ہے نا"۔ پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔
"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے' ٹھیک ہو جائے گا' چلیں میں بھی دیکھوں ذرا"۔ وہ دونوں اندر آگے پیچھے داخل ہوئے۔
"یہ لیجئے امی!" اس نے گلاس اور گولی ساجدہ بیگم کو دی تھی' انہوں نے بغیر کچھ کہے اس سے گلاس اور گولی تھام کر

اسحاق کو دی۔
''یہ لو پیو''۔انہوں نے اسحاق کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر اُٹھانا چاہا۔
''لائیں مجھے دیں''۔وہ گلاس لینے لگے۔
''پیو جلدی''۔انہوں نے اپنے ہاتھوں سے پلایا تھا۔
''کاش.....ہم بھی بیمار پڑ جائیں' ہائے رے آفاق تیری قسمت''۔وہ صوفے پر جھٹکے سے بیٹھا تھا۔
''بہت بکواس کرنی آتی ہے تمہیں''۔وہ گلاس رکھ کر اُسے ڈانٹنے لگیں۔
''اور تمہاری کیوں مسکراہٹ نکل رہی ہے''۔انہوں نے امبرینہ کو ٹوکا۔
''جاؤ جا کر اسے رکھ آؤ''۔انہوں نے امبرینہ کو گلاس پکڑایا' وہ چلی گئی تھی' شاید ساجدہ بیگم کو اس کا مسکرانا پسند نہ آیا تھا۔
''او کے بھائی جان! ذرا کل شام تک آپ ٹھیک ہو جایئے گا یاد ہے ناں کہ ہمیں کل جانا ہے''۔وہ ان کے اوپر جھکا تھا۔
''تم اب سو جاؤ رات تک تمہارے سر کا درد ٹھیک ہو جائے گا''۔وہ ان کا تھوڑی دیر سر دبا کر چلی گئیں۔
امبرینہ نے کپڑے لگا لئے دھونے کے لئے' کپڑے دھونے کے ساتھ کھانا بھی پکنے کو چڑھا دیا تھا' رات کا کھانا بھی پک چکا تھا اور کپڑے بھی سب دھل گئے تھے' ان کی آنکھ ابھی بھی نہ کھلتی مگر شور کی وجہ سے کھل گئی' امبرینہ کمرے میں آئی' بیڈ کے دائیں طرف شیشے کا لیمپ رکھا تھا' وہ صفائی کرنے لگی کہ چکر آ گیا اور ہاتھ اس پر پڑا اور لیمپ نیچے گرا' اسحاق نے دیکھا تو وہ فوراً اُٹھ کر اس سمت آیا تھا۔
''امبرینہ!'' وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی' وہ بھی اس کے پاس آیا۔
''کیا ہوا خیریت تو ہے؟'' انہوں نے اس کے کندھے کو دھیرے سے ہلایا تھا۔
''جی بس وہ چکر آ گیا تھا''۔وہ کھڑی ہونے لگی کہ شیشے اٹھائے' دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔
''ظاہری بات ہے' یہ گیلے کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں''۔انہوں نے اس کے کپڑوں کو ہاتھ لگایا تھا۔
''وہ میں کپڑے دھو رہی تھی تو''۔
''اچھا چلو پہلے کپڑے بدلو' کھڑی ہو''۔انہوں نے اس کو سہارے سے کھڑا کیا تھا۔
''پہلے یہ کانچ اُٹھالوں''۔وہ اٹھانے کے لئے بیٹھی تھی۔
''رہنے دو' میں اُٹھالوں گا تم جاؤ کپڑے بدلو''۔انہوں نے اس کو ہٹایا' وہ کپڑے بدلنے واش روم میں گئی اور وہ کانچ اٹھانے لگے تھے۔
''رات میں کپڑے دھونے کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ کپڑے بدل کر آئی اور بیڈ پر لیٹ گئی تو انہوں نے اس کو ڈانٹنا ضروری سمجھا تھا۔
''بہت سارے ہو گئے تھے نا''۔بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ دوبارہ تیزی سے واش روم کی سمت بھاگی۔
''امبرینہ! خیریت تو ہے کیا ہوا ہے تمہیں؟'' اس کی حالت بالکل نڈھال ہو چکی تھی' چہرے پر سپیدی آئی ہوئی تھی۔
''پتا نہیں کیا ہوا ہے شام سے اسی طرح سے ہو رہا ہے''۔اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے' شاید برداشت کرتے کرتے تھک گئی تھی۔

''چلو ڈاکٹر کے پاس''۔
''نہیں شاید ابھی ٹھیک ہو جائے گا''۔
''میں کیا کہہ رہا ہوں تم سے''۔انہوں نے اس کے انکار کو نہ مانا اور چلے گئے۔ایک گھنٹے میں وہ ڈاکٹر کے پاس سے واپس بھی آ گئے تھے اپنے ساتھ ایک پیاری سی خوشخبری لے کر۔
''کیا ہوا بھائی! کہاں چلے گئے تھے؟'' آفاق اور ساجدہ بیگم کوئی ڈرامہ دیکھ رہے تھے کہ ان دونوں کو ساتھ آتا دیکھا تھا۔
''اسپتال گئے تھے''۔وہ وہیں پر بیٹھ گئے تھے۔
''کیوں خیریت ہے؟'' ساجدہ بیگم نے پریشانی سے اس کو دیکھا۔
''جی امی! وہ امبرینہ کو لے کر گیا تھا''۔وہ امبرینہ کو ترچھی نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔
''کیا ہوا بھابی کو؟'' آفاق نے امبرینہ کی کھلتی ہوئی رنگت کو دیکھا۔
''میں کھانا لگا دوں''۔وہ وہاں سے چلی گئی اس کے پیچھے کیا باتیں ہوئیں اسے اندازہ تھا۔کھانا کھا کر کچن صاف کر کے وہ کمرے میں آئی تو وہ بیڈ پر بیٹھے اسی کا انتظار کر رہے تھے۔
''آپ سوئے نہیں''۔وہ مسکراتی شرماتی ان کے برابر میں براجمان ہوئی تھی۔
''کیوں سوؤں' مجھے تو نیند نہیں آ رہی ہے' تم نے جو اُڑا دی ہے''۔وہ اسے دیکھنے لگے' وہ کچھ بولی نہیں' آنکھیں دھیرے سے بند کر لیں۔
''اور یہ تم کیوں سو رہی ہو؟''
''کیونکہ مجھے نیند آ رہی ہے''۔بند پلکوں کے پیچھے سے اسے جواب دیا تھا۔
''یعنی پھر نخروں پر اُتر آئیں''۔انہوں نے اس کی ناک دبائی۔
''بس آپ بھی سو جائیں''۔اس نے لحاف منہ تک ڈالی مگر وہ اسحاق ہی کیا جو سونے دیتے۔
''شرافت سے کھڑی ہو''۔انہوں نے لحاف کھینچی۔
''آپ پریشان نہ کریں''۔
''اُٹھتی ہو یا نہیں''۔انہوں نے اس کی مرمریں کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے نزدیک کر لیا۔
''کیا ہے؟'' وہ منمنائی تھی۔
''مبارکباد نہیں لوگی اتنا حسین تحفہ دے رہی ہو''۔انہوں نے آہستگی سے اس کے کان میں سرگوشی کی تو شرم سے اس کا سر ان کے کندھے پر جا ٹکا جس پر وہ مسکرا دیئے۔

.....☆.....

رات کو انہیں کسی ڈنر پر جانا تھا' اسحاق اور آفاق نے تھری پیس پہنا ہوا تھا جس میں دونوں بھائی بہت خوبصورت لگ رہے تھے' امبرینہ نے ریڈ کلر کا جارجٹ کا سوٹ زیب تن کیا تھا جو بہت ہی خوبصورت لگ رہا تھا اور اس کی رنگت کھلی جا رہی تھی۔
''شکر آپ لوگ آئے تو' کب سے انتظار کر رہے ہیں آپ کا؟'' فاروق صاحب ان کے قریب آئے تھے۔
''بس تھوڑی دیر ہو گئی تھی''۔اسحاق نے کہا تھا۔
''آیئے اندر''۔وہ انہیں لے کر اندر آ گئے' انہوں نے زیادہ لوگوں کو نہیں بلایا تھا۔

"یہ ہیں میری مسز"۔ انہوں نے اپنی مسز سے ملوایا تھا۔ جو امبرینہ کو بہت پسند آئیں' وہ سیدھا وہاں موجود اپنی کزن لیلیٰ کی سمت بڑھی تھی' لامیہ و سمعیہ سے ہونے والی گفتگو آفاق سے بھی چھپی نہیں رہ سکتی تھی اس لئے اس نے اپنی دونوں بہنوں کو سنائی بھی خوب تھیں۔

"آپ لوگ کھڑے کیوں ہیں' بیٹھیں"۔ وہ سب بیٹھ گئے' کچھ دیر باتیں ہوتیں رہیں اس کے بعد کھانا لگا دیا گیا۔

"بھئی' کھانا تو کھالیا اب کیا خیال ہے چائے کے ساتھ اچھی سی آواز نہ ہو جائے"۔ فرخ نے ترچھی نگاہ آفاق پر ڈالی تھی۔

"ہاں کیوں نہیں' کوئی انتظام ہے کیا؟"

"بھئی یہ اپنے آفاق ہیں ناں"۔ فرخ اور آفاق نے ایک ساتھ پڑھا تھا اور فرخ جانتا تھا آفاق کی آواز بہت خوبصورت تھی۔

"میرا تو گلا ہی خراب ہے"۔ اس نے فرخ کو گھورا' مگر سب کے اصرار پر ماننا پڑا تھا۔

آفاق کی نگاہ امبرینہ سے بات کرتی لیلیٰ پر جا ٹھہری اس لئے وہ خود کو روک نہ پایا۔

"اب مجھے رات دن تمہارا ہی خیال ہے
کیا کروں پیار میں دیوانوں جیسا حال ہے
تم کو دیکھے بناء چین ملتا نہیں
دل پہ اب تو کوئی زور چلتا نہیں"

گانا مکمل گانے کے بعد سب نے آفاق کی دل کھول کر تعریف کی تھی۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ لوگ گھر واپس آ گئے تھے' آفاق نے سوچ لیا تھا کہ مما سے لیلیٰ کے لئے وہ اب خود بات کرے گا۔

امبرینہ سب سے پہلے آتے ہی ساجدہ بیگم کے کمرے میں گئی تھی' تو وہ آدھی بیڈ پر اور پیران کے نیچے لٹکے تھے وہ بے سدھ پڑیں تھیں۔

"اسحاق' آفاق جلدی آئیں"۔ اس نے وہیں سے انہیں بلایا اور انہیں ٹھیک طرح سے لٹانے لگی تھی۔

"امی کو تو بخار ہے"۔ آفاق نے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"میں ایسا کرتی ہوں کہ برف لاتی ہوں"۔ وہ جلدی سے بھاگی' آفاق دائیں اور اسحاق بائیں سرہانے بیٹھ گئے' وہ ٹھنڈا پانی اور کپڑا لائی تھی۔

"آپ ہٹیئے میں ٹھنڈے پانی کی پٹی رکھتی ہوں' آپ ڈاکٹر کو لے آیئے جلدی سے"۔ وہ ان کے ماتھے پر پٹیاں رکھنے لگی۔

"بھائی! آپ بیٹھیں میں لے کر آتا ہوں"۔ آفاق چلا گیا' آدھے گھنٹے میں ڈاکٹر آ گئے' انہوں نے انجکشن لگایا اور کل تک کی دوائیں دیں تھیں۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ فوراً ٹھنڈے پانی کی پٹی رکھ دی"۔ ڈاکٹر نے کہا اور نسخہ پکڑا کر چلے گئے۔ رات کو ایک بجے تک وہ تینوں ایسے ہی بیٹھے رہے تھے۔

"آپ دونوں ایسا کریں جائیں اور سو جائیں' میں یہاں ہوں"۔ اس نے انہیں بھیجنا چاہا تھا۔

"نہیں بھابی! آپ آرام کر لیں"۔ آفاق نے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

"پریشان نہیں ہوں' جائیں آپ لوگ"۔ اس نے انہیں زبردستی بھیج دیا اور خود ساری رات ان کے پاس رہی' صبح تک بخار اُترا تو بے ہوشی ٹوٹ گئی' آنکھ کھول کر دیکھا تو وہ سرہانے بیٹھی تھی۔

"شاید ساری رات جاگی ہے"۔ انہوں نے سوچا۔

"یہ تم میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟" وہ اُٹھنے لگیں۔

"ارے رے امی! آپ لیٹی رہیئے"۔ وہ جلدی سے نزدیک آئی' اس نے دوبارہ لٹا دیا' پھر سارا وقت وہ کبھی ان کا سر دباتی یا پھر دوائی وقت پر کھلاتی اور پرہیزی کھانا بنا کر اپنے ہاتھوں سے کھلاتی رہی' گھر کی صفائی کی' 3 دن تک ان کی تیمارداری میں صرف کئے' وہ کچھ نہ بولیں' وہ ہر کام ان کا زبردستی کرتی تھی۔

"امی! چلیئے میں نے آپ کے کپڑے پریس کر دیئے ہیں' چل کے بدل لیجئے"۔ وہ کپڑے لے کر آئی' انہیں دیئے پھر ان کے روم کی صفائی کی' بیڈ شیٹ چینج کی یہ دیکھے بغیر کہ اس کی اپنی کیا کنڈیشن ہے۔

"امی!" دونوں بہنیں آج آ گئیں تھیں۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی' کسی نے بھی ہمیں خبر نہ کی' وہ تو ہمیں ان سے معلوم ہوا جو آج اسحاق کے آفس کسی کام سے گئے تھے"۔ لامیہ نے ماں کا ہاتھ پکڑا۔ اندر سے وہ تین افراد بھی نکل آئے جو اس وقت اپنے بیڈ روم میں تھے۔

"آپ کی دیکھ بھال کس نے کی' دوا وقت پر کھلائی کے نہیں؟" سمعیہ نے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"نہیں اپیا' ایسی کوئی بات نہیں' بھابی تھیں ناں"۔ آفاق ان لوگوں کے سامنے آ بیٹھا۔

"امی! آپ اتنی کمزور ہو گئی ہیں' آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیں"۔

"کیوں یہاں ان کی کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے کیا؟" اسحاق بھی آفاق کے برابر میں آ بیٹھا تھا۔

"نہیں یہاں ان کی ٹھیک سے کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے اور نہ ہی میں کسی پر بھروسہ کر سکتی ہوں"۔ انہوں نے امبرینہ کو بُری طرح سے گھورا تھا۔

"یہ کیسے کہہ سکتی ہیں آپ؟" اسحاق نے دریافت کیا۔

"کیوں نہیں کہہ سکتی' مجھے معلوم ہے جب سے یہ یہاں آئی ہے جب ہی سے امی....."

"بس کریں آپ لوگ"۔ اسحاق کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا' وہ اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

"کیا سمجھ رکھا ہے آپ لوگوں نے مجھے' جب سے میری شادی ہوئی ہے تب سے ہی میں آپ سب لوگوں کی باتوں کو برداشت کر رہا ہوں' کچھ نہیں کہہ رہا کہ شاید کبھی تو آپ لوگ اس کو دل سے قبول کر لیں گے"۔ وہ امبرینہ کے پاس آئے۔

"مگر آپ لوگوں کے دل میں نفرت ہی نفرت بھری ہے جو شاید کبھی بھی دور نہ ہو"۔ وہ بولے تو پھر بولتے ہی چلے گئے' کسی کو نہ چھوڑا انہوں نے' آج پہلی بار ان سے سوال و جواب کر رہے تھے' وہ سمعیہ کی طرف آئے۔

"اور آپ..... آپ تو مجھے کبھی دُکھی نہیں دیکھ سکتی تھیں اور آج ایسا ہے کہ دُکھ پہ دُکھ' ایک حد ہوتی ہے' کیا امی نے آپ لوگوں کی تربیت ایسی کی تھی' میں تو آپ کا اپنا سگا بھائی ہوں' آپ لوگ جسے بہت چاہتی تھیں لیکن شاید آپ کے دل سے میرے لئے ساری محبت ختم ہو گئی ہے' ٹھیک ہے مجھے کسی سے شکوہ و شکایت نہیں ہے' اگر آپ لوگ نہیں چاہتے کہ میں اس گھر میں رہوں تو آپ لوگوں کی خوشی کی خاطر میں اس گھر سے ہی چلا جاؤں گا امبرینہ کو لے کر"۔ انہوں نے آخر میں بہت دُکھی سے لہجے میں رُک رُک کر کہا تھا اور خاموش ہو گئے۔

''کیا کہا تم نے ذرا پھر سے کہو''۔ ساجدہ بیگم اپنی جگہ سے ہی کھڑی ہو گئیں تھیں۔

''جی امی! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں' میرا ایک دوست ہے وہ مجھے اپنے پاس سعودی عرب میں بلا رہا ہے' میں یہ سب کچھ چھوڑ کر امبرینہ کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزارنا چاہتا ہوں' جہاں کسی کو مجھ سے امبرینہ سے شکایت نہیں ہو گی چلو امبرینہ''۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر بہت افسردگی سے اپنے بیڈ روم میں آ گئے۔

''سن لیا آپ دونوں نے' کتنی افسوس کی بات ہے کہ......'' آفاق غصے میں وہاں سے ہٹ گیا اور وہ تینوں اسی طرح سر جھکائے بیٹھی تھیں۔

..............☆..............

''اسحاق!'' ساجدہ بیگم کمرے میں آ گئیں۔

''ارے یہ بہو کو کیا ہوا ہے؟'' وہ بیڈ پر کمبل اوڑھے لیٹی تھی اور اسحاق اس کے سرہانے۔

''رات تک بالکل ٹھیک تھی لیکن ابھی کچھ دیر پہلے چکرا کر گر گئی تھی تو میں نے دوا کھلا کر سونے کو کہا تھا اس لئے ابھی ہی آنکھ لگی ہے''۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئے' چہرہ بالکل مرجھا سا گیا تھا۔

''تو تم نے ڈاکٹر کو کیوں نہیں بلایا''۔ وہ اس کے سرہانے ہی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''جاؤ جلدی سے ڈاکٹر کو لے کر آ جاؤ''۔ وہ صحیح معنوں میں پریشان ہو گئیں' وہ دل کی بُری بالکل نہیں تھیں' اسحاق میں تو ان کی جان تھی اور اس کی پسند کی شادی سے بس تھوڑا ہی ناراض تھیں لیکن پھر امبرینہ کے رویے کو مد نظر رکھتے ہوئے' پچھلے دنوں اس نے ان کی جو خدمت کی تھی اسی وجہ سے وہ اس کی دل سے گرویدہ ہو گئیں تھیں' بس بول نہیں پا رہی تھیں' اپنی بیٹیوں کو بھی انہوں نے بہت سمجھایا تھا اور امبرینہ کو دل سے بہو تسلیم کر لیا تھا۔ اسحاق تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر کے ساتھ آ گئے تھے۔

''ذہنی دباؤ بہت ہے' کمزوری بھی بہت ہے' جتنا ہو سکے انہیں کھلائیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے اس کنڈیشن میں ایسا ہو جاتا ہے' ان کو آرام کروائیں ٹھیک ہو جائیں گی''۔ انہوں نے کچھ دوائی دی اور چلی گئیں۔

ساجدہ بیگم تو واقعی میں پریشان ہو گئیں' انہیں پرانی باتیں یاد آنے لگیں' پھر مسز راحیل اور اُن کی بہو کو یاد کرنے لگیں کہ۔

''ان کا گھر کتنا گندہ تھا' بہو کتنی زبان چلاتی تھی' لیکن میری بہو نے آج تک مجھ سے یا کسی بھی تند سے زبان نہیں چلائی اور نہ ہی کبھی اسحاق سے شکایت کی''۔ ساجدہ بیگم پوری رات اس کے سرہانے بیٹھی رہیں اور اسحاق' آفاق کے کمرے میں سو گئے تھے' صبح اٹھ کر جب اپنے کمرے میں قدم رکھا تو امبرینہ جاگ رہی تھی اور امی سے باتیں کر رہی تھی۔

''اُٹھ گئے تم؟'' ساجدہ بیگم کھڑی ہوئی تھیں۔

''جی ابھی اُٹھا ہوں''۔ وہ بیڈ کی سائیڈ والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

''اچھا' تم جب تک آفس کے لئے تیار ہو میں ناشتا بناتی ہوں''۔ وہ جانے لگیں۔

''امی! آپ......'' وہ اُٹھ کر بیٹھنے لگی۔

''آپ رہنے دیجئے میں بنا دیتی ہوں''۔

''لیٹی رہو تم''۔ انہوں نے اس کو دوبارہ آرام کر لٹا دیا۔

''مجھ سے جو کچھ ہو گیا ہے اس کے لئے میں شرمندہ ہوں لیکن اب میں یہ نہیں چاہتی کہ میں اتنی اچھی بہو اور

اب وہ اپنے ننھے مہمان کو گنوا دوں''۔ انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''اور یہ جانتا ہے کہ میں اس کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتی ہوں' پھر بھی مجھے چھوڑ کر جانے کی بات کی ہے اس لئے اب تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ تا کہ میرے گھر کا سناٹا ختم ہو جائے' پھر دیکھتی ہوں یہ تم کو کیسے لے کر ملک سے باہر جاتا ہے''۔ وہ مسکرا کر کہتی ہوئی چلی گئیں۔

''اب کیسی طبیعت ہے میری جان کی؟'' وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

''بہتر ہوں''۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

''ہاں بس اور بہتر ہو جاؤ کیونکہ میری دنیا ویران ہے تمہارے بغیر' جس کی کل رات اکیلے میں سزا کاٹی ہے''۔ وہ اس کے مزید قریب ہوئے تھے۔

''اچھا جی' وہ کیسے؟'' ان کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھا اور تنگ کرنے کے ارادے سے پوچھا تھا۔

''ابھی بتاؤں کیا؟'' اس کے دونوں ہاتھ کو تھام کر معصوم سی شرارت کرنے آگے بڑھے تھے کہ۔

''بھائی!'' دروازے کے باہر سے آفاق کی آواز آئی' وہ دروازہ ناک کر کے اندر آ گیا۔

''ہیلو بھابی! اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' آفاق سائیڈ چیئر پر بیٹھ گیا جبکہ امبرینہ کو اسحاق کی شکل دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں''۔ اس نے مسکرا کر آفاق کو دیکھا' اسحاق امبرینہ کو مطمئن دیکھ کر تیاری کرنے چلے گئے۔

..............☆..............

''آپیا! ہم نے امبرینہ کے ساتھ بہت بُرا رویہ رکھا ہے ناں''۔ لامیہ سمعیہ کے گھر آئی ہوئی تھی۔

''ہاں بہت بُرا کیا ہے' ہمیں معافی مانگ لینی چاہیئے اس سے' وہ ہمارے اتنے پیارے بھائی کی بیوی ہے جو ہمیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے' امی کو بھی بہت افسوس ہے کہ واقعی ہم سے غلطی ہو گئی' اگر اسحاق نے اپنی پسند سے شادی کر لی تو کیا ہوا ہم بھی تو آخر کرتے ہی نا اس کی شادی' اگر ہماری پسند کی آئی ہوئی لڑکی ٹھیک نہ ہوتی تو پھر ہم کیا کرتے' جبکہ امبرینہ میں کوئی خامی نہیں ہے جبکہ آج کے دور کی لڑکیاں کیسی ہوتی ہیں یہاں شادی ہوئی اور ایک مہینے کے بعد ہی اپنے شوہر کو لے اُڑیں' ہمیں تو اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے ہمیں امبرینہ جیسی بھابی دی' اللہ تعالیٰ امبرینہ کو اور آنے والے کو صحیح سلامت رکھے' اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے صبح امی کا فون آیا تھا''۔ سمعیہ کو بھی اپنے رویے پر افسوس ہونے لگا۔

کافی دیر تک وہ دونوں بیٹھی باتیں کرتی رہیں پھر گھر آنے کا پروگرام بنایا کہ امبرینہ کی خیریت معلوم کریں اور اس سے معافی بھی مانگ لیں گے۔

''امبرینہ!'' سمعیہ اور لامیہ گھر آ گئیں' وہ ابھی تک بیڈ ریسٹ کر رہی تھی۔

''ارے آپ دونوں آ یئے ناں''۔ وہ سنبھل کر بیٹھی۔

''نہیں' تم لیٹی رہو' تھوڑا نہیں''۔ لامیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کیسی ہو؟''

''اب تو ٹھیک ہوں بلکہ بالکل ٹھیک''۔ وہ مسکرائی۔

''السلام علیکم!'' وہ کمرے میں آئے تو حیران رہ گئے۔

''وعلیکم السلام! کیسے ہو؟ ہم معافی مانگنے آئی تھیں کیونکہ ہم اتنی اچھی بھابی اور بھائی کو کہیں جانے نہیں دیں

گے"۔ لامیہ نے اس کے گرد اپنے دونوں بازو پھیلائے تھے۔

"جی"۔ آفاق اندر آیا۔

"بھائی! میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں"۔ وہ آخری جملہ سن کر معصومیت سے کہنے لگا تھا۔

"جی نہیں سب حقیقت ہے"۔ انہوں نے اس کے کان پکڑے تھے۔

"اور اب اس کی باری ہے تاکہ اس کے پیروں میں بھی زنجیر ڈالنی پڑے گی"۔

"کیوں نہیں میں تو تیار ہوں یہ والی زنجیر پہننے کو لیکن اگر ہو سکے تو جلدی کریں اب اگر آپ لوگ اتنی جلدی کر ہی رہے ہیں تو پھر......" اس کا جملہ جلدی سے کاٹ کر اسحاق درمیان میں بولے۔

"اگر تمہارا دل نہیں چاہ رہا ہے تو میں ان لوگوں کو منع کر دیتا ہوں کہ یہ......" آگے انہوں نے بہت زبردست قہقہہ لگایا تھا جس کا وہاں بیٹھے سب افراد نے ساتھ دیا۔

"کیا کہہ رہے ہیں بھائی! میں نے آپ کا بہت ساتھ دیا ہے"۔ اس نے بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی جس پر اس کو ساجدہ بیگم سے ایک تھپڑ پڑا۔

اس کی طبیعت کیا ٹھیک ہوئی کہ گھر میں ایک شور سا برپا ہوا ہر رات شب برات اور ہر روز عید کا سماں تھا سمعیہ اور لامیہ نے اپنے اپنے گھر سب کی دعوت کی اور بے شمار امبرینہ اور اسحاق کو تحفے دیے تھے۔

گھر میں بھی شمائلہ نوید سارہ رہنے آ جاتے تو گھر میں ہر دم شور ہوتا وہ بچوں کے ساتھ بھی لڈو کیرم کھیلتی ساجدہ بیگم بہت خوش تھیں انہوں نے امبرینہ کو خوب پیار کیا نذر اور صدقہ دیا تھا۔

ابھی اس کی ڈلیوری میں 7 مہینے باقی تھے جس کا ساجدہ بیگم کو شدت سے انتظار تھا گھر میں اب کوئی بھی امبرینہ کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا وہ اپنے ماں باپ کو بھی روز فون کرتی تھی اپنی طبیعت کی وجہ سے کراچی ملنے نہیں جا سکتی تھی۔

............☆............

"کیا سوچا ہے امی! آپ نے آفاق کے بارے میں؟" سمعیہ نے کہا۔

"ہاں میں سوچ رہی ہوں کہ منگنی کر دوں پھر امبرینہ کے فارغ ہو جانے کے بعد شادی کر دوں گی"۔

"یہ ٹھیک ہے مگر لڑکی......"

"ہاں آفاق کی پسند ہے پھر امبرینہ کی کزن بھی ہے اچھی ہی ہوگی"۔ پھر کچھ ہی دنوں میں آفاق کی دھوم دھام سے منگنی ہوئی۔ سب بہت خوش تھے اتنا کہ کسی کو کوئی اندازہ نہ تھا امبرینہ ہر کام میں آگے تھی جس کو اسحاق بھی دیکھ رہے تھے اور بہت خوش تھے۔

"شکر آفاق کی بھی ہو جائے گی شادی"۔ وہ اپنے زیورات اُتارنے لگی اسحاق نے بتایا کہ وہ بہت خوش تھا پھر وہ بھی کپڑے چینج کرنے چلے گئے۔

............☆............

"کیا مشکل ہے"۔ وہ رات میں سو رہی تھی اور اسحاق کچھ فائلیں لائے تھے کہ گھر پر کام کر لیں گے کسی فائل پر اس کا پیر لگا تو اسحاق نے اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"یار! فائلیں رکھی ہیں"۔

"ٹھیک ہے کریں کام میں وہاں امی کے پاس جا رہی ہوں"۔ وہ کھڑی ہونے لگی تھی۔

"ارے امی کے پاس مت جانا بس ہو گیا ناں کام"۔ انہوں نے دوبارہ اسے لٹا دیا۔

"اچھا چھوڑیں میں صوفے پر سونے جا رہی ہوں اور اب میری نیند خراب مت کریے گا"۔ وہ صوفے پر سونے چل دی۔

ابھی سوئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اسحاق نے آواز دی۔

"امبرینہ! چلو اپنی جگہ پر"۔ اسحاق کا کام مکمل ہوا تو وہ اسے جگانے آ گئے تھے۔

"پھر تم میری نیند خراب کرو گی کہ ڈر لگ رہا ہے"۔

"سونے دیں ناں"۔ وہ جھنجلا گئی تھی۔

"اس طرح نہیں اُٹھو گی تم"۔

"اسحاق! کیا کر رہے ہیں"۔ انہوں نے اسے اُٹھا لیا اور اس کی جگہ پر ڈال دیا۔

"بہت بدتمیز ہیں آپ"۔ وہ زچ ہو کر سو گئی اور اسحاق مسکراتے ہوئے لیٹ گئے۔

............☆............

"اسحاق......" دو تین دن کے بعد اس رات وہ ڈر کر اُٹھ گئی تو انہیں بھی اُٹھانے لگی۔

"کیا ہوا امبرینہ! خیریت ہے ناں"۔ وہ بھی اس کے ساتھ اُٹھ کر بیٹھ گئے جو رو رہی تھی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے گھبراہٹ بھی ہو رہی ہے"۔ اس نے اپنا سر ان کے کندھے پر رکھا۔

"ہوں کیا ہوا؟" وہ اس کا سر سہلانے لگے۔

"میں نے خواب دیکھا ہے عجیب سا"۔ وہ ڈر گئی تھی۔

"کیا دیکھا ہے؟" انہوں نے اس کا چہرہ اوپر کیا اور آنسو صاف کیے۔

"بہت بڑا پہاڑ ہے میں اور آپ ساتھ چل رہے ہیں پھر آپ اس پہاڑ کی بلند چٹان پر چڑھ جاتے ہیں مجھے چھوڑ کر میں آنے کی کوشش کرتی ہوں"۔ وہ رونے لگی۔

"مگر نہیں آ سکتی پھر مجھے آگے چل کر آفاق ملتا ہے میں اس کے ساتھ چلنے لگتی ہوں"۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"پگلی! یہ خواب ہے کوئی"۔ انہوں نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے"۔

"کچھ نہیں ہوتا میں ہوں ناں"۔ اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر اس کے گرد مضبوط حصار باندھ دیا۔

"آپ مجھے چھوڑ کر مت جایئے گا"۔

"میں کہیں نہیں جا رہا تم سو جاؤ"۔ انہوں نے اس کو احتیاط سے لٹا دیا۔

............☆............

"خدا حافظ! جلدی آ جایئے گا آج ہمیں شاپنگ پر جانا ہے یاد ہے ناں آپ کو"۔ امبرینہ نے اسحاق کو دیکھا۔

"ارے ہاں یاد ہے مجھے میں جلد ہی آؤں گا او کے فی امان اللہ"۔ وہ انہیں چھوڑ کر صفائی کرنے لگی آفاق ابھی تک سو رہا تھا وہ پورے گھر کی صفائی کرنے کے بعد اپنے کپڑے [illegible] جو اسے آج پہننے تھے لاؤنج سے شور کی آواز آئی تو وہ گھبرا کر باہر آ گئی۔

"میں ابھی آتا ہوں"۔ آفاق فون پر کسی سے لڑ رہا تھا۔

"کیا ہوا امی؟" وہ ساجدہ بیگم کے پاس آ گئی۔

''بھابی! آپ پریشان نہ ہوں کچھ نہیں ہوگا بھائی کو''۔ وہ اس کے پاس آیا۔
''کیا ہوا ہے اسحاق کو؟'' وہ چیختی ہوئی اس کے پاس آئی۔
''کیا ہوا ہے بتاتے کیوں نہیں؟'' وہ بھی نزدیک آئیں۔
''امی! بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور وہ ہاسپٹل میں ہیں' میں جارہا ہوں''۔ امبرینہ نے اس کا راستہ روکا۔
''نہیں' میں بھی چلوں گی تم جھوٹ بھول رہے ہو''۔
''آپ بے فکر رہیں میں بھائی کو ساتھ لے کر ہی آؤں گا' آپ کا جانا ٹھیک نہیں ہے' مجھے دیر ہورہی ہے پلیز جانے دیں''۔ وہ چلا گیا اور پھر وہ اسحاق کو ساتھ لایا تھا لیکن زندہ نہیں بلکہ..... اس بات کا سب کو پتا چل گیا' اس کی حالت خراب تھی۔

اب بھی اس کی آہٹ میں
چونک چونک اُٹھتی ہوں
اب بھی اس کی آوازیں
گونجتی ہیں کانوں میں
اب بھی اس سے وابستہ
میری ساری یادیں
جاگتے ہیں سپنے
کتنے دل نشیں منظر
گھومتے ہیں آنکھوں میں
اب بھی اس کی چاہت میں
جلتی ہوں ساری رات

اس کی یہ حالت کسی سے بھی نہ دیکھی گئی' نہ پہننے اوڑھنے کا ہوش نہ کھانے پینے کا خیال اور نہ ہی آنے والی اسحاق کی نشانی کی پرواہ۔
''مجھ سے نہیں دیکھی جاتی اس کی یہ حالت''۔ ساجدہ بیگم رو پڑیں۔
''امی! ہم سے بھی نہیں دیکھی جاتی پر کیا کریں''۔ سمعیہ اور لامیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔
''اس گھر کو کس کی نظر لگ گئی ہے' سب کچھ خاموش ہے' گھر میں وحشت طاری ہے''۔
آخر کار سب کے فیصلے پر اس کے ماں باپ اسے اپنے ساتھ کراچی لے گئے' وہ منع کرتی رہی کہ مجھے اس کمرے میں رہنے دیں میں کہیں نہیں جانا چاہتی مگر ایسا نہ ہوا۔

.....☆.....

''کیا کہہ رہی ہیں امی یہ.....'' وہ چلا ہی تو پڑا تھا۔
''یہ نہیں ہوسکتا' یہ میں نہیں کرسکتا''۔ اس کی حالت غیر تھی۔
''کیوں نہیں ہوسکتا' مجھ سے اس کی حالت نہیں دیکھی جاتی' وہ مرجائے گی بیٹا!''
''علاج ہورہا ہے ٹھیک ہوجائیں گی وہ''۔
''نہیں' اس کا علاج ہمارے پاس ہے''۔

''امی' امی''۔ وہ غصے میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا تھا۔
''کرلو بیٹا! وہ بہت دُکھی ہے میرا گھر اُسی کے دم سے تھا''۔ وہ فریاد کرنے لگیں۔
''امی! مجھ سے وہ چیز مت مانگیں جو میں دے نہ سکوں''۔ وہ بے چین ہوگیا تھا' کیسے وہ اپنی محبت سے دستبردار ہو جاتا۔
''تمہارے ہی پاس ہے وہ چیز بیٹا!'' وہ ہاتھ جوڑنے لگیں۔
''امی پلیز! میرے ساتھ ناانصافی مت کریں''۔
''مجھے کچھ نہیں معلوم' تم امبرینہ سے شادی کررہے ہو بس''۔ وہ حکمیہ انداز میں کہہ کر چلی گئیں۔

.....☆.....

''نہیں امی نہیں' میں یہ نہیں کرسکتی' مجھ سے اسحاق کی یادیں مت چھینیں' میں نہیں رہ سکتی''۔ اس کی بھی حالت آفاق سے کم نہ تھی مگر وہ لڑکی تھی جس کے ماں باپ کی مجبوریاں آڑے آگئی تھیں۔

.....☆.....

''سب خوش تھے کہ وہ دوبارہ اس گھر میں آگئی تھی' لیلیٰ سے تو صرف منگنی ہوئی تھی جو کہ کچا رشتہ تھا' وہ کمرے میں آیا۔
''تم ابھی تک اسی طرح بیٹھی ہو''۔ وہ اس کے نزدیک آیا۔
''تم سمجھیں ہوں گی کہ میں تم سے پیار کی باتیں کروں گا' تمہاری تعریف کروں گا' نہیں بلکہ میں تو تمہیں دیکھنا تک پسند نہ کروں''۔ وہ اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔
''میرے دل میں جو تمہارے لئے عزت تھی اب وہ نفرت میں بدل چکی ہے' شدید نفرت کرتا ہوں میں تم سے''۔
اس نے بیڈ پر سجے تمام پھول نوچ ڈالے۔
''تم نے میرے سپنے توڑے ہیں امبرینہ! تم قاتل ہو میرے سپنوں کی' تم جس قدر زہر لگ رہی ہو اس کا اندازہ صرف میں ہی لگا سکتا ہوں' تم مر کیوں نہیں گئیں' زندہ کیوں بچ گئیں''۔ وہ تکیہ اُٹھا کر پھینکنے لگا' پورا کمرہ اُلٹا کردیا تھا۔
''میں تم سے نفرت کرتا ہوں' سنا تم نے' میرے کمرے میں آگئیں تو کیا ہوا میرے دل تک کبھی رسائی نہیں پاسکو گی''۔ اس نے امبرینہ کی حالت بھی بُری کردی تھی' اس کے تمام زیورات نوچ کر اُتار دیئے تھے۔
''تم پر اچھا نہیں لگتا یہ سب''۔ وہ اُسے لمحے میں چھوڑ کر صوفے پر جا کر سوگیا۔
اس نے پلکیں اٹھا کر دیکھیں' وہ بہت پرسکون نیند سو رہا تھا' کیا یہ وہی آفاق ہے جو اس کی بڑی عزت کرتا تھا' اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے' وہ اُٹھی کپڑے بدلے کمرے کی حالت درست کی اور بیڈ پر آکر لیٹ گئی۔ صبح اس کی ہمیشہ کی طرح آنکھ جلدی کھل گئی' جب وہ اسحاق کو اُٹھا کر کچن میں ناشتہ بنانے جاتی تھی۔
''اُٹھیں آفس نہیں جائیں گے''؟ وہ آفاق کو اُٹھانے لگی تھی۔
''کیوں اُٹھایا ہے تم نے مجھے؟'' وہ کھڑا ہوگیا۔
''اب تو سارا دن ہی خراب جائے گا''۔ وہ غصے میں تنتناتا ہوا واش روم میں جا گھسا تھا' وہ کھڑی کچھ اور سوچنے لگی تھی۔
''امبرینہ..... امبرینہ''۔ وہ کچن میں ناشتہ بنا رہی تھی کہ انہوں نے پکارا تھا۔
''کیا ہے کیوں بلا رہے تھے''۔ وہ کمرے میں ان کے پاس آئی جو بیڈ کے پاس کھڑے تھے۔

''میری گاڑی کی چابی نہیں مل رہی''۔انہوں نے مسکراہٹ چھپا کے کہا تھا۔
''یہیں چھوٹی ٹیبل پر تو رکھی تھی''۔وہ میز پر دیکھنے لگی۔
''مگر یہاں تو نہیں ہے''۔وہ اس کے قریب آئے تھے۔
''ارے میں نے کل رات کو تو رکھی تھی''۔وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔
''کہاں؟'' وہ وہیں کھڑے رہے۔
''یہاں پر''۔اس نے میز کی طرف اشارہ کیا۔
''مگر یہاں تو نہیں ہے''۔
''اچھا' پھر نیچے گر گئی ہوگی' آپ جھک کے تو دیکھیں''۔وہ ڈھونڈنے لگی' فیروزی پرنٹڈ سوٹ میں سادہ سی چوٹی بندھی تھی جس میں سے دو تین لٹیں باہر نکل رہی تھیں' پریشان ہوگئی ڈھونڈ ڈھونڈ کے تو انہیں ترس آ گیا۔
''اچھا رُکو' اِدھر آؤ''۔انہوں نے اُسے اپنے پاس بلایا۔
''چابی تو ڈھونڈ دوں آپ کی''۔
''یہ رہی چابی''۔انہوں نے اپنی بند مٹھی کھولی۔
''تو مجھے پریشان کیوں کر رہے تھے''۔اس نے منہ پھلا لیا تھا۔
''بس مزا آ رہا تھا''۔انہوں نے اسے خود سے قریب کیا۔
''جانتے ہیں میری کنڈیشن کو پھر بھی تنگ کرتے ہیں''۔اس نے خود کو چھڑانا چاہا تو انہوں نے شرارت کر ڈالی جس پر اس نے ان کے سینے پر زوردار طریقے سے مکوں کی بارش کی۔
''چلیئے! بعد میں مسکرا لیجئے گا پہلے ناشتہ کر لیں''۔وہ نہا کر نکلا تو اسے وہیں کھڑا پایا جو شاید کچھ سوچ کر مسکرا رہی تھی اور وہ سمجھ گیا تھا اس لئے گہرا طنز کر دیا تھا۔
''جی''۔وہ ہڑبڑا گئی اور گلاسز درست کر کے چلی گئی تھی۔ناشتہ کرنے کے بعد وہ آفس چلے گئے اور وہ اپنے گھر کے کاموں میں ایک بار پھر سے مگن ہوگئی تھی۔
دو تین ہفتے تو یوں ہی گزر گئے' وہ جب سے یہاں آئی تھی اسحاق کے کمرے کی طرف رُخ نہیں کیا تھا اور نہ کوشش کی تھی' صبح وہ جلدی اُٹھ جایا کرتی تھی' آفاق کے اُٹھنے سے پہلے ناشتہ تیار کر دیتی تھی' اس کا سامنا ناشتے اور دوپہر کے لنچ پر ہی ہوتا تھا' رات کو وہ اکثر باہر سے کھا کر آتے تھے' رات سونے کے وقت جب کمرے میں جاتی' جب وہ سو جاتے وہ صوفے پر ہی سوتی تھی اور وہ بیڈ پر سوتے تھے' وہ زیادہ بات نہ کرتے ایک دوسرے سے اور جب بھی کرتے تھے تو طنز بھری باتیں کرتے جس سے اسے کافی دُکھ ہوتا مگر برداشت تو کرنا تھا۔
اس روز سب لوگ آئے ہوئے تھے' وہ فروٹ کاٹ رہی تھی اور ان لوگوں سے باتیں بھی کر رہی تھی۔آفاق' جاوید اور اقبال سے باتیں کر رہے تھے سمعیہ' لامیہ اور امبرینہ اپنی باتیں کر رہے تھے' ساجدہ بیگم بچوں میں لگیں تھیں' فروٹ کاٹتے کاٹتے چھری سے اس کی اُنگلی پر کٹ لگ گیا۔
''آہ''۔اس کی چیخ نکلی' وہ دونوں قریب آئیں۔
''دیکھ تو لیتیں بیٹا!'' ساجدہ بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑا۔
''نہیں امی! ابھی ٹھیک ہو جائے گا''۔وہ کسی کو اپنا ہاتھ چھونے نہیں دے رہی تھی۔
''کھڑی ہو''۔آفاق جلدی سے آئے اور اسے بازو سے پکڑ کے زبردستی کھڑا کیا اور کمرے میں لے جا کر

صوفے پر پٹخنے والے انداز میں بٹھایا اور جلدی سے ٹیوب اور پٹی لائے۔
''مانا آپ بہت مہذب ہیں' یہ سب حرکتیں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے''۔اس نے ہاتھ پکڑ کر ٹیوب لگایا اور پٹی باندھی۔
''اب ذرا ہوش و حواس میں رہ کر کام کرنا' مانا کہ دھیان آپ کا کہیں اور رہتا ہے''۔وہ طنز کرنے سے باز نہیں آئے تھے۔
''کیسا ہے اب ہاتھ؟'' وہ لاؤنج میں آئی تو سب نے پوچھا اور وہ وہیں بیٹھا گھور رہا تھا۔
''جی' اب ٹھیک ہے''۔وہ ساجدہ بیگم کے برابر میں بیٹھ گئی۔پھر کھانا ان دونوں بہنوں نے مل کر پکایا تھا۔
''آج شام کو تیار رہنا' ایک دوست کی بیٹی کی سالگرہ میں جانا ہے''۔وہ کہہ کر چلے گئے۔
''امی! یہ ابھی تک آئے نہیں''۔لنچ ٹائم ہوگیا تھا اور وہ ابھی تک آیا نہیں تھا' وہ پریشان ہونے لگی۔
''بیٹا! پریشانی کی کیا بات ہے ٹیلیفون کر کے پتا کر لو''۔
''جی''۔وہ فون پر نمبر ڈائل کرنے لگی۔
''ہیلو!'' دوسری طرف وہی تھا۔
''آپ ابھی تک آئے کیوں نہیں؟''
''تم سے مطلب؟'' وہ زور سے بولا۔
''اور تم سے کہا کس نے تھا کہ تم مجھے فون کرو''۔وہ کچھ بھی نہیں بول پا رہی تھی صرف سن رہی تھی' شکر ادا کر رہی تھی کہ وہ بالکل خیریت سے ہے۔
''اتنا اچھا موڈ تھا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا ہے''۔زور سے فون کو پٹخ دیا۔
''کیا کہا اُس نے''۔ساجدہ بیگم قریب آئیں۔
''جی''۔اس نے ریسیور رکھا۔
''وہ کہہ رہے ہیں میں نہیں آؤں گا''۔اس نے سارے آنسو دل میں اُتارے تھے۔وہ کمرے میں آئے تو وہ صفائی کر رہی تھی۔
''کوئی فائدہ نہیں ہے تم یہ سب کر کے مجھے امپریس نہیں کر سکتیں''۔اس نے بریف کیس پھینکا اور الماری سے کپڑے لے کر واش روم چلا گیا' جب آیا تو صفائی ہو چکی تھی اور وہ صوفے پر بیٹھی تھی' ایک نظر اس پر ڈالی اور ڈریسنگ ٹیبل کے پاس چلا آیا۔
''جاؤ تیار ہو کر آؤ میں لاؤنج میں ہوں''۔وہ جانے لگا۔
''اور سنو!'' کھڑی ہوتی امبرینہ کو روکا۔
''ذرا ڈھنگ کا لباس پہننا' بہت بڑی پارٹی ہے''۔اس کے لباس پر ایک نظر ڈال کر چلا گیا' اس نے لان کا سوٹ پہنا تھا' وہ تیار ہونے چلی گئی تیار ہو کر لاؤنج میں آئی تو آفاق امی سے باتیں کر رہا تھا۔
''ماشاءاللہ!'' ساجدہ بیگم اس کے قریب آئیں تو اس نے بھی مڑ کے دیکھا تو ٹھٹھک گیا' اس نے گرے رنگ کی سادہ سی راؤ سلک کی ساڑھی باندھی تھی' اس پر میچنگ کی جیولری' چوڑی فل خوبصورت سی تیاری کے ساتھ بالوں کو آدھا باندھا ہوا تھا اور باقی کو کھلا چھوڑ دیا' آفاق نے بھی گولڈن راؤ سلک کا سوٹ پہنا تھا وہ بھی کسی سے کم نہیں لگ رہا تھا۔
''بہت پیاری لگ رہی ہو''۔انہوں نے اس پر کچھ پڑھ کے پھونکا۔آفاق گاڑی کا ہارن بار بار بجا رہا تھا کہ

امبرینہ جلدی سے باہر آ گئے۔

''اچھا امی! اللہ حافظ''۔ وہ چلی گئی۔

پارٹی میں آ کر آفاق اس کو بالکل ہی بھول گیا تو وہ جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی جہاں پر اس کے دائیں سائیڈ پر ایک عورت تھی اور ان کے ہاتھ میں بچہ اس کو وہ کھلانے لگی وہ بچہ بھی اس سے خوش ہو رہا تھا' کافی دیر تک وہ اس کی ماں سے باتیں کرتی رہی اور بچے سے بھی کھیل رہی تھی۔

''آنٹی!'' ایک بچہ اس کے پاس آیا۔

''آپ کو وہ انکل بلا رہے ہیں''۔ اس بچے نے اس طرف اشارہ کیا جہاں پر وہ کھڑا چلنے کا اشارہ کر رہا تھا' وہ فوراً اُٹھی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''اتنا ہی شوق ہے بچوں سے کھیلنے کا تو کسی دارالامان چلی جاؤ' وہاں بہت ہوں گے''۔ وہ بہت غصے میں کہہ رہا تھا اور گاڑی کو بہت تیزی سے چلا رہا تھا' بعد میں اسے اس کی کنڈیشن کا اندازہ ہوا تو سلو کر دی تھی ڈرائیونگ کرنا۔

............☆............

وہ نہا کر نکلی سفید سادہ سے کاٹن کا سوٹ پہن کر' بالوں سے پانی بہہ رہا تھا' وہ جا کر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑی ہوگئی' یہ دیکھے بغیر کہ کوئی اسے سامنے صوفے پر بیٹھا بڑی محویت سے دیکھ رہا تھا' اس نے جب ادھر نظر کی تو گھبرا گئی فوراً دوپٹہ اپنے گرد لپیٹا۔

''مری نہیں ہو جو اس طرح کفن پہن لیا ہے''۔ وہ کھڑا ہو گیا تھا' جانے کون سا سکون ملتا تھا' اسے امبرینہ کو ہرٹ کرنے میں مزہ آتا تھا۔

''آئندہ میں تم پر یہ سوٹ نہ دیکھوں''۔ وہ کہہ کر چلا گیا تھا۔

''بیٹا! آپ کی چوڑیاں کہاں ہیں؟'' وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے جب ساجدہ بیگم نے اسے ٹوکا۔

''جی امی! وہ ڈریسنگ ٹیبل پر ہیں''۔

''وہاں کیا کر رہی ہیں؟'' اس نے بھی اس کے ہاتھ دیکھے جو بالکل سادے تھے۔

''جی وہ......'' وہ سامنے بیٹھے آفاق کی گھورتی نظروں سے کنفیوژ ہو رہی تھی۔

''اچھا' چلو کھانا کھا لو پھر پہن لینا''۔ ساجدہ بیگم نے پیار سے ٹوکا تھا۔ کھانا کھا کر وہ برتن دھونے لگی تو وہ اندر آ گیا تھا' اسے گلاسز سے اُلجھن ہو رہی تھی کہ اسی اثناء میں آفاق آیا تھا اور بڑی بے دردی سے اس کا گلاسز اتارا تھا۔

''اس کو لگا کر کام کرنے سے بہتر ہے اُتار دیا کرو' ویسے بھی اسے لگا کر بھی تمہیں شاید کچھ نظر نہیں آتا ہے''۔ وہ پھر طنز کر کے چلا گیا۔

............☆............

''اسحاق! مجھے اپنے پاس کیوں نہیں بلا لیتے' مجھے اس آگ میں جلنے سے بچالیں' مجھے زندگی نہیں چاہیے' مجھے موت کیوں نہیں آ جاتی''۔ اس دن وہ ساجدہ بیگم سے نظر بچا کر اپنے پرانے کمرے میں آئی اور بیڈ کو پکڑ کر رونے لگی۔

''کیا کہہ رہی ہو تم؟'' ساجدہ بیگم نے سب سن لیا۔

''امی!'' وہ ان کے گلے لگ کر خوب روئی تھی۔

''نہیں بیٹا! ایسا نہیں کہتے''۔ وہ بھی رونے لگیں۔

''امی آپ میری ایک بات مانیں گی''۔ وہ ان سے الگ ہوئی تھی۔

''ہاں بولو میری جان! کیا ہوا؟ کیا تم کو آفاق نے کچھ کہا ہے' اگر ایسا ہے تو بتاؤ میں خود اس سے پوچھ لوں گی' اتنا ... کر خود پر' کیا بات ہوگئی''۔

''نہیں امی! وہ تو مجھے کچھ نہیں کہتے' امی آپ آفاق کی لیلیٰ سے شادی کر دیں پلیز''۔ وہ ہاتھ جوڑنے لگی تھی۔

''کیا کہہ رہی ہو بیٹا!''

''امی! میں ساتھ رہ لوں گی اس کے' میں اسے بالکل چھوٹی بہنوں کی طرح رکھوں گی''۔ وہ گڑگڑا کے رونے لگی یہ وہ ان سے دیکھا نہ گیا۔

''میں بات کرتی ہوں سمعیہ سے''۔ بالآخر اس کی حد درجہ ضد کے آگے انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

............☆............

بات تو امی نے کر لی سمعیہ اور لامیہ سے' انہیں بھی بہت اعتراض ہوا تھا مگر انہیں امبرینہ نے بہت مجبور کر دیا تھا۔ ... نے کلام پاک ختم کر لیا تھا' اسی خوشی میں ساجدہ بیگم نے سب کو دعوت پر بلایا' اس دعوت میں ہی سمعیہ نے آفاق ... لیلیٰ سے شادی کی بات کر لی۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' وہ ہکا بکا رہ گیا۔

''امبرینہ نے کہا ہے کیا؟''

''ہاں امبرینہ ہی نے کہا ہے''۔

''اچھا......'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

''ویسے تمہیں امبرینہ کیسی لگتی ہے اس نظریے سے تم نے کبھی بتایا نہیں''۔

''اچھی لگتی تھی جبھی تو اپنی محبت کو ٹھکرا کر شادی کی ہے''۔ وہ افسردہ ہوا امبرینہ کی سوچ پر۔

جب سب چلے گئے تو وہ کمرے میں آئی' اس نے میرون کلر کا بنارسی کا سوٹ پہنا تھا جو اس کی شہابی رنگت پر ... جچ رہا تھا اور آج پہلی بار آفاق نے اسے اپنی شریک حیات کے روپ میں دیکھا تھا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی تھیں؟'' وہ بیڈ پر آرام سے بیٹھ کر اپنے زیورات اُتار رہی تھی کہ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''کیا......؟'' وہ سمجھ گئی تھی مگر انجان بنی رہی تھی۔

''اب اتنی انجان نہ بنو''۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں''۔ وہ کھڑی ہو کے جانے لگی تھی۔

''میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں''۔ اس نے اسے دونوں شانوں سے پکڑ کر خود سے قریب کیا تھا۔

''آپ لیلیٰ سے شادی کر لیں''۔

''تم نے کم زندگی برباد کی ہے کیا؟'' اس نے اس کے گلاسز کو چھیڑا۔

''وہ آباد کر دے گی آپ کو''۔ اس نے بات کاٹی۔

''نفرت کرتے ہیں نا آپ مجھ سے' یہی کہا تھا نا تو پھر دُعا کریں میں اور میرے اندر پھوٹنے والی کرن دونوں مر جائیں تا کہ آپ کی جان چھوٹ جائے گی''۔

''امبرینہ.....'' انہوں نے ایک زوردار طمانچہ اس کے رسید کیا۔
''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا جو ایسی اُلٹی سیدھی باتیں کر رہی ہو''۔ وہ رونے لگی تو اس نے اس کا سر اپنے کندھے پر لگایا۔
''پاگل میں نے تو اپنے آپ کو تمہارے لئے بدل ڈالا ہے' تم سے شدید نفرت کرنا بھی چاہوں تو نہیں کر سکتا' اب اگر میں نے تمہارے ساتھ تھوڑی بہت زیادتی کی ہے تو اس کا بھی حق نہیں کہ میں نے اپنی محبت تمہاری خاطر ٹھکرائی تھی' میں تم کو دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگا ہوں' تم مجھ کو بہت عزیز ہو''۔ وہ اس کا سر سہلانے لگا' پھر اس کے گلاسز اُتار کے اپنے ہاتھ میں لئے۔
''نہیں' میں آپ کو دل سے اجازت.....'' وہ گلاسز چھیننے لگی۔
''شش.....'' اس نے اس کے لبوں پر انگلی رکھی۔
''نہیں امبرینہ! میں وعدہ کرتا ہوں اب تم کو کوئی دُکھ نہیں دوں گا بلکہ اتنی خوشیاں دوں گا کہ تم سارے دُکھ بھول جاؤ گی''۔ آفاق کا چہرہ اتنا قریب تھا کہ سانسیں اس کے گالوں کو چھو رہی تھیں۔
''اور تم بھی کبھی ایسی باتیں مت کرنا ورنہ پھر مجھے کچھ ہو جائے گا''۔ اس نے اس کے ماتھے پر اپنے پیار کی مہر ثبت کی۔
''اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو''۔ اس نے فوراً کہا۔
''اچھا.....'' اس نے ہنس کر اسے دیکھا۔
اس رات دونوں نے ایک دوسرے کو منایا اور معافی مانگتے گزار دی اور آنے والے دنوں کے بارے میں باتیں کرنے لگے تھے۔

.....☆.....

پھر اس کی گود میں کچھ ہی دنوں میں ایک خوبصورت سا بیٹا آ گیا جو بالکل اسحاق کی کاپی تھا۔ ساجدہ بیگم تو خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھیں' دونوں پھوپھیاں بھی اپنے بھتیجے کی پیدائش پر خوش تھیں۔ سب نے مبارکباد دی اور بیٹے کا نام ''عائش آفاق'' رکھا جو آفاق نے ہی پسند کیا تھا۔
''مبارک ہو''۔ وہ بیڈ پر لیٹی تھی جب وہ اندر آیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔
''آپ کو بھی''۔ وہ مسکرائی تھی۔
''اس طرح نہیں چلے گا بھئی''۔ وہ اس کے اوپر جھک گئے تھے اور خوبصورت سی شرارت کے ساتھ اس کے ہاتھ کو تھام کر اس میں بریسلٹ پہنایا تھا جس پر آفاق کا نام لکھا تھا۔
''کیسا لگا؟'' آفاق نے پوچھا۔
''بس ٹھیک ہی ہے''۔ اس نے تنگ کرنا چاہا۔
''کیا.....؟'' وہ حیران ہوئے اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر سمجھ گئے' دوبارہ وہ جھکے ہی تھے کہ۔
''بھئی آفاق! ہم اندر آ رہے ہیں اپنی بھابی سے ملنے''۔ وہ سب اندر آ گئے۔ سب نے اسے گھیر لیا اور وہ دور بیٹھے اُسی کو دیکھ رہا تھا کہ اب اس کی زندگی صرف امبرینہ اور اس کے خوبصورت سے بیٹے عائش آفاق کے ساتھ بہت خوبصورت گزرے گی۔

☆☆☆☆☆☆